Phone 80800

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

دسمبر 1965

قائد اعظمؒ ـــــــ اٹھارہ سال پہلے

(ہندوؤں کی طرف سے) ہم ایک ایسی سازش کا شکار ہوئے ہیں جو بڑی گہری اور سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی تھی - اور جسے دیانت ، شجاعت اور عزت کے ابتدائی اصولوں تک کو بالائے طاق رکھ کر بروئے کار لایا گیا ہے - ہم بحضور رب العزت سجدہ ریز ہیں کہ اس نے ہمیں ایسی ہمت اور یقین محکم عطا فرمایا جس سے ہم نے شر کی ان تمام قوتوں کا پورا پورا مقابلہ کیا - اگر ہم نے قرآن کریم سے راہ نمائی حاصل کی تو ، میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ ، آخرالامر کامیابی ہماری ہوگی - آپ سب کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا محکم حصار بنانے اور اپنے آپ کو ایسی عظیم الشان ملّت کی صورت میں تعمیر کرنے کے لئے جس کا مقصد ، ملک کے اندر اور باہر امن کا قیام ہو ، عند الضرورت سب کچھ قربان کر دینے کا عہد کریں -

۳۰- اکتوبر ۱۹۳۷ء ـــــ تقریر قائد اعظمؒ
لاہور یونیورسٹی گراؤنڈز

شائع کردہ

ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵- بی گلبرگ لاہور

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بدلِ اشتراک
پاک و ہند سے
سالانہ ——— دس روپے
غیر ممالک سے
سالانہ ——— ایک پونڈ

قیمت فی پرچہ
پاک و ہند سے
ایک روپیہ

ٹیلیفون (۸۰۸۰۰)
خط و کتابت کا پتہ
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵/بی - گلبرگ لاہور

جلد ۱۸ | دسمبر ۱۹۶۵ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قرآنی راہ نمائی ——— ۲
لمعات ——— ۳
پس از مدت ازیں شاخِ کہن بانگ ہزار آمد ——— ۱۱
حریمِ ملت کے پاسبان ——— ۲۰
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسمِ سامری ——— (پرویز صاحب) ——— ۳۳
آگ ہے۔ اولادِ ابراہیم ہے۔ نمرود ہے ——— (ڈاکٹر صلاح الدین اکبر) ——— ۵۳
سمجھے گا زمانہ تیری آنکھوں کے اشارے ——— (محترم خورشید عالم) ——— ۵۷
پاک چین دوستی ——— (پرویز صاحب) ——— ۶۵
بچوں کا صفحہ ——— (یونس بھائی جان) ——— ۷۸

قرآنی راہ نمائی

۱۔ اے رسول! ان لوگوں سے کہدو کہ اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، اور دیگر اہلِ خاندان۔ اور مال و دولت جو تم کماتے ہو۔ اور وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو۔ اور وہ مکانات جنہیں تم اس قدر پسند کرتے ہو۔ اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں خدا اور اس کے رسول (نظامِ خداوندی) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہے، تو پھر تم اپنی روش کے نتائج کا انتظار کرو تا آنکہ قانونِ خداوندی کی رو سے، اس کے ظہور نتائج کا وقت آجائے۔ یاد رکھو! خدا کبھی اس قوم کو سعادت کی راہ نہیں دکھاتا جو صحیح راستے کو چھوڑ کر ادھر اُدھر نکل جائے۔ (۹/۲۴)۔

۲۔ تم سوچو کہ ایسے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے میں کیا تامل و توقف ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنے معاہدات کو توڑ ڈالا۔ اور جنہوں نے اس بات کا تہیہ کر لیا کہ رسول کو اس کے گھر بار سے نکال دیں گے۔ (اور جب وہ گھر بار چھوڑ کر مدینہ آ گیا تو وہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا) اور تمہارے خلاف جنگ کرنے کی پہل انہی کی طرف سے ہوئی۔ لہٰذا اب کونسی بات باقی رہ گئی ہے جو ان کے خلاف قدم نہ اٹھایا جائے۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ سن رکھو کہ اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تمہیں خدا کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرنا چاہیئے۔ (نہ کہ ان لوگوں سے)۔ (۹/۱۳)

۳۔ اے رسول! ان سے کہدو کہ اگر تم جہاد کے لیئے نہیں نکلو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے لیئے بڑا الم انگیز ہوگا۔ یعنی خدا تمہاری جگہ ایک اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے۔ (۹/۳۹)۔

۴۔ ان سے کہو کہ جو لوگ خدا کی راہ میں قتل ہو جائیں ان کے متعلق یہ گمان تک بھی نہ کرو کہ وہ مر گئے۔ وہ زندہ ہیں۔ اور انہیں اپنے نشو و نما دینے والے کے ہاں سے سامانِ رزق ملتا ہے۔ وہ اپنے بلند مقامات کو دیکھ کر جو انہیں عنایاتِ خداوندی سے ملتے ہیں۔ بہت خوش ہوتے ہیں۔ اور اس احساس سے کہ ان کی اس قربانی سے، ان کے ساتھی جو ابھی دنیا میں موجود ہیں، کس طرح (دشمن کی طرف سے) خوف و ہراس سے مامون ہو گئے ہیں، ان کی خوشی دوبالا ہو جاتی ہے۔ (۳/۱۶۹)۔

۵۔ تم وہ ہو کہ جب تمہیں اس بات کی دعوت دی جاتی ہے کہ خدا کی راہ میں مال و دولت کھلا رکھو۔ تو تم میں ایسے لوگ بھی موجود ملتے ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں۔ یاد رکھو! ان کا یہ بخل خود ان کی اپنی ذات کے خلاف ہوتا ہے ـــ اللہ کو تمہاری احتیاج نہیں۔ تم اس کے محتاج ہو۔ اگر تم جہاد کے لئے مال و دولت دینے سے بخل برتو گے تو تمہاری جگہ خدا کسی اور قوم کو لے آئیگا جو تمہارے جیسی نہیں ہوگی۔ (۴۷/۳۸)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

غالب نے کہا تھا۔

عاشقی صبر طلب، اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

جنگ بندی (CEASE - FIRE) کے فیصلے کے بعد، قوم کی حالت بعینہٖ یہی ہو رہی ہے۔ حکومت کے فیصلے کا تقاضا ہے کہ انتہائی ضبط سے کام لیا جائے، لیکن ہندوؤں نے اپنی جس ننگِ انسانیت ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے جس دہشت و بربریت کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے جس بری طرح مکاری اور فریب دہی کے ہر سولئے عالم ریکارڈ کو توڑا ہے۔ اور ان کی طرف سے اس وقت تک جن مذموم عزائم کا مظاہرہ ہو رہا ہے، اس کا مطالبہ یہ ہے کہ انہیں ایک لمحہ کی بھی فرصت اور مہلت نہ دی جائے، اور ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد انہیں بتا دیا جائے کہ

مرگِ تو اہلِ جہاں را زندگی است
باش، تا بینی کہ انجامِ تو چیست

قوم کا یہ جذبہ مستحق مبارکباد ہے اور اس کا مطالبہ در خورِ صد احترام۔ لیکن "حرمت کے مہینوں" میں جنگ کی بندش کا آئین بھی تو قرآن ہی نے دنیا کو دیا تھا۔ اس لئے ہمیں اس بندش کا احترام کرتے ہوئے ضبط سے کام لینا ہوگا۔ لیکن "ضبط" کے معنی سکوت، عدمِ حرکت، اور تعطل نہیں۔ حضور نبی اکرمؐ نے مومن کی زندگی یہ بتائی تھی کہ

جب جہاد ہو رہا ہو تو وہ اس میں شریک ہو۔ اور جب نہ ہو رہا ہو تو وہ اس کی تیاری میں مصروف ہو۔

ہمیں فرصت کے ان لمحات کو غنیمت سمجھ کر، اپنے آپ کو جہاد کی تیاری میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ اور اگر غور کیا جائے

تو تیاری کا مرحلہ منزلِ کارزار سے بھی کہیں زیادہ سرگرمیٔ عمل کا متقاضی اور انہماک سعی و کاوش کا طالب ہوتا ہے۔
ہمارے اربابِ بست و کشاد یقیناً آنے والے خطرات سے بے خبر نہیں۔ ان کے بیانات و تقاریر اس حقیقت کی شاہد ہیں کہ وہ ان خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے دن رات مصروفِ اہتمام ہیں۔ بعض رموزِ مملکت ایسے ہوتے ہیں جنہیں قبل از وقت برسرِ عام نہیں لایا جا سکتا۔ اس لئے ہم منتظرین بیرونِ خانہ نہیں جان سکتے کہ درونِ در کیا کیا اہتمامات تشکیل و تسر ہو رہے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہلت کے اس وقفہ میں ہم اپنے فرائض کو کس طرح ادا کر رہے ہیں؟ محسوس ایسا ہوتا ہے جیسے ہمیں خطرات کی طرف سے جھوٹا اطمینان ہو گیا ہے اور اس طرح ہماری رفتار میں کچھ سستی پیدا ہو رہی ہے۔ خدا کرے ہمارا یہ احساس غلط ہو۔ لیکن اگر یہ احساس صحیح ہے تو یہ کوئی اچھی علامت نہیں۔ اس سے تو یہی ثابت ہوگا کہ ہم صرف محسوس خطرات سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ وہ زیرِ آب تلاطم انگیزیاں جو اپنی تباہ کاریوں میں ساحل ناآشنا ہو سکتی ہیں، ہمیں متاثر نہیں کر سکتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ہندوؤں کی طرف سے پہلے بھی کسی مغالطہ میں نہیں رہنا چاہیئے تھا۔ لیکن اگر ان کے عزائم کے اس طرح طشت از بام ہو جانے کے بعد بھی، ہم ان کی طرف سے مطمئن ہو کر بیٹھ گئے تو اس سے بڑھ کر ہمارے لئے خوف سامانی اور کیا ہوگی؟

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس باب میں ایک کوتاہی ہمارے اربابِ حکومت اور قومی راہ نماؤں کی طرف سے بھی ہو رہی ہے۔ وہ جن انتظامات میں مصروف ہیں، مصروف رہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں چاہیئے کہ وہ ملک کے طول و عرض میں گرد باد کی طرح پھیل جائیں اور جگہ جگہ پبلک جلسوں کے ذریعے، لوگوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرتے رہیں۔ یہ پروگرام ایک خاص تنظیم کے ماتحت، مسلسل اور پیہم جاری رہنا چاہیئے۔ اسی طرح ہمارے ریڈیو کو اسی انداز سے مصروفِ عمل رہنا چاہیئے جس انداز سے اس نے جنگ کے دوران کام کیا تھا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب نہ ریڈیو سے نشر ہونے والے ترانے، پہلے کی طرح "لہو ترنگ" ہیں، نہ وہاں سے براڈکاسٹ ہونے والی تقاریر "بارود آہنگ"۔ اب یہ سب کچھ پھر پہلے کی طرح، محض "آرٹ برائے آرٹ" کے طور پر ہونے لگ گیا ہے۔

ہمارے اربابِ حل و عقد کے لئے صرف اندرونِ ملک پھیل جانا کافی نہیں۔ ہمیں اس وقت دنیا کے ہر ملک میں اپنے نمائندے بھیجنے چاہئیں تاکہ وہ دنیا کو حقیقتِ حال سے آگاہ کرتے رہیں یہ پروگرام بھی ہمارے فیصلہ کن مرحلہ تک جاری رہنا چاہیئے۔ اسی طرح ہمارے ریڈیو کو بھی دنیا کی تمام بڑی بڑی زبانوں میں نشریات کا انتظام کرنا چاہیئے۔ بالخصوص عربی زبان میں۔ اسی قسم کا بھرپور پروگرام ہمارے محکمۂ اطلاعات کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیئے اور جملہ اقوام تک ایسا لٹریچر پہنچانا چاہیئے جس سے ہمارے

موقف کی صداقت کا نقش فی الحجر ہو جائے۔ ہمارے ان محکموں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے

گذشتہ جنگ میں ایک اور شدید خطرہ کا احساس ہوا جس کا، اس مہلت کے وقفہ میں، سامنے لانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یوں تو آجکل کی جنگ میں، دشمن کی سرحدوں کے ساتھ ملحقہ علاقے اور اندرونِ ملک کی آبادیاں، دونوں خطرے میں ہوتی ہیں۔ لیکن سرحدی علاقوں کی بستیوں کو ایک ایسے خطرہ کا شدید احساس ہوتا ہے جس کا اندازہ غالباً اندرون ملک کی بستیاں نہیں کر سکتیں (مثلاً اہل لاہور کو لیجئے) سترہ دن تک، دشمن کی توپیں اس طرح ان کے سر پہ کھڑی تھیں کہ یہ ان کی توپوں کی آواز ہی کو نہیں، گویا ان کے پاؤں کی آہٹ کو بھی سن رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے کوہ پیکر تشون قاہرہ کی قوتوں میں اور اضافہ کرے، اُن کے سرحد پر ہونے سے ان کے حوصلے بڑے جوان تھے۔ لیکن بایں ہمہ، یہ احساس ہر وقت بیدار رہتا کہ اگر خدانخواستہ دشمن نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا، تو ان کے درندے ہمارے گھروں کے صحن میں ہوں گے۔ اس وقت ہم دیکھ رہے تھے کہ اہل لاہور کو نہ مال و متاع کے لٹنے کا ذرا سا بھی خیال تھا نہ جانیں تلف ہو جانے کا خفیف سا بھی اندیشہ۔ یہ ہر خطرہ کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے خندہ پیشانی سے تیار تھے۔ لیکن اس کے باوجود ایک احساس ایسا تھا جس سے بیشتر قلوب متاثر نظر آتے تھے اور وہ احساس تھا ہماری ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کے غیر محفوظ ہونے کا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام کی ان بیٹیوں نے اس وقت بھی کسی قسم کے خوف و ہراس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے غیر محفوظ ہونے کا احساس تک پیدا نہیں ہونے دیا۔ حتیٰ کہ ایسے واقعات بھی ہمارے علم میں آئے کہ بعض گھرانوں میں جب یہ سوال زیر غور آیا کہ کم از کم لڑکیوں کو کہیں اندرون ملک بھیج دیا جائے، تو انہوں نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ ہم یہیں جان دیں گی۔ اس سے مردوں کے حوصلے بہت بلند رہے۔ لیکن یہ بہرحال ہنگامی جذبہ تھا۔ اب جبکہ ہمیں مہلت کا وقفہ میسر آگیا ہے، اس مسئلہ کے نازک پہلو پر واقعاتی نقطۂ نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

عورت کے متعلق صدیوں کے ہمارے غیر قرآنی طرزِ عمل نے، اسے ہمارے معاشرہ میں اپاہج بنا کر رکھ دیا ہے — ایسی اپاہج کہ وہ گھر سے نکل کر بازار تک بھی اکیلی نہیں جا سکتی۔ ہمارا یہ جرم کس قدر سنگین تھا، اس کا اندازہ ان سترہ دنوں میں ہوا۔ ہم نے انہیں اپاہج نہیں بنایا، اپنی انسانیت کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ ہم نے انہیں باردوش نہیں بنایا۔ اپنی حیاتِ باشرف کی گردن میں بھاری پتھر باندھ دیا۔ ہم نے ہر قسم کا سامانِ حفاظت رکھنے کے باوجود، اپنے آپ کو سخت غیر محفوظ کر لیا۔ ہم نے خدا کی زمین کے وسیع و عریض ہونے کے باوجود، اسے اپنے آپ پر تنگ کر لیا۔ ہم نے آزادی کے دروازے کھلے ہونے کے باوجود اپنے آپ کو پابندِ قفس

اور زندانی تقدیر بنا لیا ـــ اُف! کس قدر شدید تھا احساس اپنی اس بے بسی کا جو ان سترہ دنوں میں ابھر ابھر کر ہمارے سامنے آرہا اور ہمیں مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر کے بار بار شرم دلا رہا تھا۔ کسقدر سخت تھی یہ سزا جو خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے ہمیں، ہمارے اس سنگین جرم کی پاداش میں مل رہی تھی۔ اس دفعہ ہم اس مہیب خطرہ سے بچ گئے ہیں لیکن جنگ بہرحال جنگ ہے۔ دشمن کی طرف سے کبھی بھی اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اگر ہم نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو پھر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ـــــ سخت ہیں فطرت کی تعزیریں ـــ ان بطش ربك لشدید۔

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اس وقت فوری کرنے کا کام یہ ہے کہ

(۱) اسکولوں اور کالجوں میں لڑکوں کے علاوہ، لڑکیوں کو پوری پوری رائفل ٹریننگ دی جائے۔ اور خطرہ کے وقت ان میں سے ہر ایک کے پاس اسلحہ موجود ہو۔

(۲) رائفل ٹریننگ کے ساتھ ساتھ، انہیں شہری دفاع کی تمام مشقیں کرائی جائیں۔ اور اس سلسلہ میں ضروری سامان ہر گھر میں رکھا جائے۔

(۳) سرحدی بستیوں میں رہنے والوں کو واضح ہدایات دی جائیں کہ اگر (خدانخواستہ) کسی وقت دشمن کے اندر گھس آنے کا خطرہ ہو، تو اُس وقت انہیں اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ یہ اقدامات بڑے مؤثر ہونے چاہئیں۔ اس لئے بھی کہ تجربہ نے بتایا ہے کہ ہندوستان جیسے کمینے دشمن کا ہاتھ سب سے پہلے عورت پر اٹھتا ہے۔

(۴) ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں غیر ذمہ دار اور لاابالی جوانی کی طرف سے عام حالات میں جن بیہودگیوں کے مظاہرے ہوتے تھے خطرہ کے دنوں ان کا کہیں مظاہرہ نہیں ہوا۔ اور ہمارے "ٹیڈی بوائز" اور "ٹیڈی گرلز" نے وہ کچھ کر کے دکھایا جس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ اس سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ ہماری اس نسل کا ضمیر، حمیت اور شرافت سے عاری نہیں ہو چکا۔ یہ ان میں موجود ہے۔ نقص ہمارے نظامِ تعلیم کا ہے جس میں اس متاعِ عزیز کی قدر و قیمت کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔ ضرورت ہے کہ ہم اس طرف فوری توجہ دیں، خواہ اس کے لئے ہمیں عام نصابی تعلیم کو کچھ وقت کے لئے پس پشت ہی کیوں نہ ڈالنا پڑے۔

اے پیرِ حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ — مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے — مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا

ہم ملک کے ارباب فکر و نظر سے بالعموم، اور قومی پریس سے بالخصوص، اپیل کریں گے کہ وہ بھارت کے وحشی درندوں سے

آبرو کی حفاظت کے مسئلہ کو اپنی توجہات کا خصوصی موضوع بنائیں اور اس کے لئے مؤثر ترین انتظامات کی فکر کریں۔ ہمارے ملی محاذ کا یہ کمزور ترین رخنہ ہے جس کا بند کرنا ازبس ضروری ہے۔

عورتوں کی ٹریننگ کے بعد ملک میں عام فوجی تربیت کا سوال سامنے آجاتا ہے۔ قرآن کریم میں دیکھئے۔ اس نے جنگ کا حکم فوج کو نہیں دیا۔ تمام مسلمانوں کو دیا ہے۔ نہ ہی اس زمانے میں، فوج کا کوئی الگ وجود تھا۔ ساری کی ساری امت فوج تھی۔ ایک مستقل (STANDING ARMY) کا تصور بعد کا پیدا کردہ ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ آجکل جنگ اس قدر دقیق۔ سائنس کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ اس کے لئے فنون جنگ کے ماہرین کی جداگانہ جماعت کا وجود ناگزیر ہے۔ اسے آپ "اسٹینڈنگ آرمی" کہہ لیجئے۔ لیکن جہانتک ایک عام سپاہی کا تعلق ہے، وہ تو ہر مسلمان کو ہونا چاہئے۔ اس کے لئے کسی لمبی چوڑی نبی ٹریننگ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ تین چار ماہ کی ٹریننگ سے اتنا کچھ آسکتا ہے جس سے ہر مسلمان وقت آنے پر فوج کا سپاہی بن سکے۔ اس ٹریننگ کی مہارت قائم رکھنے کے لئے سال میں ایک آدھ مہینے کی مشق ضروری ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے رمضان کا مہینہ اسی مقصد کے لئے تجویز کیا تھا۔ اس میں انسان بھوک۔ پیاس۔ مشقت۔ کم خوابی کا خوگر بن جاتا ہے۔ اور یہ ایک سپاہی کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ اس ماہ کو فوجی تربیت کے لئے بطور "ریفریشر کورس" مقرر کر لینا چاہیئے۔ اس نظام پر عمل کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس طرح چند دنوں میں لاکھوں۔ کروڑوں کی تعداد میں، تیار فوج موجود ہو جاتی ہے — ایسی فوج جو نہ صرف تیر و تفنگ ہی سے آراستہ ہوگی بلکہ عفت قلب و نگاہ کے بے پناہ اسلحہ سے بھی پیراستہ ہوگی۔

جنگ کے عواقب میں، سب سے زیادہ کمر شکن اور ہمت طلب مسئلہ خانماں خراب پناہ گزینوں کی از سر نو بحالی کا ہے۔ قوم نے جس کشادہ ظرفی سے ان ہزار ہا افراد کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا ہے اس کی یاد بھی تاریخ میں قائم رہے گی۔ اس سلسلے میں ہم نے سابقہ اشاعت میں لکھا تھا کہ ان مصیبت زدگان کی امداد کرتے وقت کہیں یہ خیال دل میں پیدا ہو جائے کہ ہم گداگروں کی مدد کر رہے ہیں، اور دینے والوں کی طرف سے کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہ ہونے پائے جس سے ان لینے والوں کی عزت کو ٹھیس لگے۔ ہمیں یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس باب میں اس امر کا عام طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ لیکن با ایں ہمہ، بعض مقامات سے اس قسم کی خبریں موصول ہوئی ہیں کہ ان کارندوں نے جن کے ذمے اشیاء ضروریہ کی تقسیم کا کام لگایا گیا تھا، مہاجرین سے کچھ درشتی کا سلوک کیا ہے۔ اگر یہ اطلاعات صحیح ہیں تو ہم ان لوگوں سے اس سے زیادہ

کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ اگر تمہارے سینے میں دل نہیں، پتھر کے ٹکڑے ہیں تو خدا کے لئے اس کام کو کسی دوسرے کے سپرد کر دیجئے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ ان برباد شدگان کے ساتھ ذرا سا اہانت آمیز سلوک بھی کس طرح قوم کا سارا کیا کرایا برباد کر دے گا۔ اور خدا کے غضب کو ہم پر مسلط کر دے گا۔ اس وقت قوم شکایت کرے گی کہ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ۔ ہمارے پروردگار نے ہمیں یونہی ذلیل کر دیا۔ تو ادھر سے جواب ملے گا کہ کَلَّا۔ بالکل نہیں۔ یہ غلط ہے کہ تمہیں یونہی ذلیل کر دیا۔ بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (۸۹/۱۷)۔ تمہاری کیفیت یہ تھی کہ جب کچھ لوگ تمہارے معاشرہ میں بلا جرم و قصور تنہا رہ گئے تھے تو تم بیشک ان کی ضروریات زندگی کا انتظام کرتے تھے (لیکن) انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ یہ ہے تمہارا وہ جرم جس کی پاداش میں تم ذلیل و خوار ہو رہے ہو! آپ نے غور فرمایا کہ قرآن کریم کا اس باب میں کیا ارشاد ہے؟ یہ کہ ان آفت زدگان کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچا دینا ہی کافی نہیں ان کے ساتھ آبرومندانہ سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی نے انہیں ذرا بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھا تو خدا کا قانون مکافات اس کی سخت سزا دے گا۔ لہٰذا، جو حضرات بھی اس اہم خدمت کو اپنے ذمے لے رہے ہیں۔ یا جن کے ذمے یہ فریضہ عائد کر دیا گیا ہے۔ انہیں اس باب میں بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔۔۔۔

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

یہ لوگ زیادہ تر دیہات کے رہنے والے ہیں۔ ان کا، مستقبل قریب میں اپنی تباہ شدہ بستیوں کی طرف واپس جانے کا امکان نظر نہیں آتا۔ اس لئے، ان کی فوری امداد کے بعد ان کی مستقل آبادکاری کے سوال کو جلد از جلد سامنے لانا چاہیئے۔ اس ضمن میں ہم نے ۱۹۴۷ء کے پناہ گزینوں کے مسئلہ کے حل کرنے میں جو جو غلطیاں کی تھیں، انہیں سامنے رکھ کر اس مسئلہ کا عملی حل سوچنا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں حالیہ جنگ سے جو سبق حاصل ہوا ہے، اسے فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ اور وہ یہ کہ ہمیں اپنی سرحدوں سے ملحقہ علاقہ میں بستیاں نہیں بسانی چاہئیں۔ اس میں فوج کے حفاظتی دستے متعین کرنے چاہئیں۔ یا اسے کسی اور فوجی ضرورت کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔ بستیاں، ڈیفنس لائن سے پیچھے بسانی چاہئیں۔ یا (کم از کم لاہور۔ قصور سیکٹر میں) سرحد کے ساتھ ساتھ ایک اور نہر کھودنی چاہیئے جو پہلی ڈیفنس لائن کا کام دے۔ حالیہ جنگ میں جس حسن تدبر، ہمت اور جانفروشی سے اس علاقہ کی حفاظت ہوئی ہے، اس کی مثال تاریخ کے صفحات میں نہیں ملے گی۔ لیکن جن احتیاطی تدابیر سے یہ مسئلہ آئندہ کے لئے آسان ہو جائے انہیں ضرور اختیار کر لینا چاہیئے۔ اور یا، اگر اس دفعہ ہندو پھر جنگ چھیڑے، تو ہمارے جواں بخت، جواں ہمت سپاہیوں کو اس طرح دلیرانہ آگے بڑھتے جانا چاہیئے کہ ہماری پہلی ڈیفنس لائن دریائے بیاس بن جائے اور اس طرح

جو نقصان ہمیں ۱۹۴۷ء میں ماونٹ بیٹن — ریڈکلف۔ کی سازش نے حد بندی کے سلسلہ میں پہنچایا تھا اس کی بھی تلافی ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی کشمیر کا مسئلہ بھی خود بخود حل ہو جائے۔ بد نہاد ہمسایہ کی دون فطرتی اور فتنہ جوئی مستقل دردسر ہوتی ہے۔ اس کا علاج بھی مستقل ہی ہونا چاہیئے۔ واللہ المستعان۔

ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ صبر طلبی عشق، بیتابی تمنا کو تلقین ضبط کر رہی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ ایسا ہی ہونا ہی چاہیئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کشمیر کے مظلوموں کی طرف سے ہمارے کان میں، یہ صدائے دردناک مسلسل اور پیہم آ رہی ہے کہ

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

شقی القلب ہندوؤں نے جس تیزی اور بے باکی سے ان کا قتل عام شروع کر دیا ہے، اور جو ان کی تلوار کی زد سے بچ جاتے ہیں انہیں جس دھاندلی سے۔۔ ادھر دھکیلا ہے، اس سے نظر آتا ہے کہ جب تک اس مسئلہ کا کوئی مؤثر حل سامنے آئے، وہ کشمیر کو اہل کشمیر سے صاف کر کے رکھ دیں گے۔ مظلوم کشمیریوں کے پاس ایسے ذرائع نہیں کہ وہ اپنی فریاد، اقوام عالم کے کانوں تک پہنچا سکیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اقوام عالم کے کانوں میں اپنی مصلحت کوشیوں کے ڈاٹ لگ رہے ہیں، اس لئے اس آواز کا ان کے ضمیر کی گہرائیوں تک پہنچنا مشکل ہے، لیکن، اس کے باوجود، کچھ لوگ ابھی دنیا میں موجود ہیں جو مظلوم کی حمایت کے لئے اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔ ہمیں دنیا میں، ہندوؤں کی ان انسانیت سوز دراز دستیوں کے خلاف کہرام مچا دینا چاہیئے تاکہ کسی کا ضمیر تو بیدار ہو۔

یوں تو کشمیر میں قتل و غارتگری کا ہر جگر خراش واقعہ، دل کو خون کر دینے کے لئے کافی ہے، لیکن جب وہاں سے ان معصوم لڑکیوں اور عفت مآب عورتوں کی چیخیں بلند ہوتی ہیں جنہیں یہ درندے اپنی ہوس بربریت کا شکار بنانے کے لئے انہیں طرح طرح کا عذاب دیتے ہیں تو یوں کہئے جیسے عرش الٰہی بھی ہل جاتا ہے۔ مردوں کو چھوڑیئے۔ ہم اپنی قوم کی خواتین سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان مظلوموں کی ان چیخوں سے ان کے دل نہیں کانپ اٹھتے؟ ان کے کلیجے نہیں پھٹ جاتے؟ ان پہ تو ایک ایک دن کا چین، اور ایک ایک رات کی نیند حرام ہو جانی چاہئے۔ ہم پاکستانی خواتین کے مختلف اداروں (بالخصوص اپوا) سے حساسات کی پوری شدت کے ساتھ، اپیل کریں گے کہ وہ ایک تنظیمی شکل میں اٹھیں اور ساری دنیا میں پھیل کر ہر ملک اور ہر قوم کی عورتوں سے عفت و عصمت کے نام پر اپیل کریں اور بھیڑیا صفت ہندوؤں کی

اس درندگی کے خلاف ضمیرِ عالم کو جھنجوڑیں۔ کیا عجب کہ اس سے خواتین پر مشتمل ایک ایسا عالمی ادارہ وجود میں آجائے جس کا مقصد ریڈکراس یا ہلالِ احمر کی طرح دنیا کی ہر مظلوم عورت کی حفاظت ہو۔ یہ عصرِ حاضر کی ننگِ انسانیت "تہذیب" کا عجیب شرمناک پہلو ہے کہ جنگ، سلطنتیں کرتی ہیں۔ لڑتے سپاہی ہیں۔ اور عصمت بیچاری عورتوں کی لٹتی ہے۔ کیا شرفِ انسانیت کے اس عظیم مقصد کے لئے، اُس اُمت کا قدم بھی نہیں اٹھے گا جس کے رسولؐ نے مستقل حکم دے رکھا تھا کہ امن کی حالت تو ایک طرف، حالتِ جنگ میں بھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے!

جوں جوں دن گزرتے جا رہے ہیں، یہ سوال اور شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ گذشتہ جنگ میں جس جذبہ کے ماتحت، ساری کی ساری قوم، نفسِ واحد کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اس جذبہ کو ملت کا مستقل شعار کیسے بنایا جائے۔ یہ سوال طلوعِ اسلام نے اٹھایا تھا، اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب بھی، سب سے پہلے، ہمارے ہی ذمہ ہے۔ اس کا جواب قرآن کریم کی راہ نمائی میں ہمارے سامنے ہے، لیکن اسے اس وقت پیش کرنے میں ایک دشواری ہے، وہ جواب اس کا متقاضی ہے کہ ملک کے معاشی نظام میں بنیادی تبدیلی پیدا کی جائے جس سے ہر فردِ معاشرہ علی وجہ البصیرت محسوس کرے کہ ملک کی خوشحالی میں اس کا برابر کا حصہ، اور اس کے ہر نقصان میں اس کی اپنی تباہی ہے۔ قرآن کریم اس قسم کا نظام پیش کرتا ہے۔ لیکن، اس وقت جبکہ اربابِ حل و عقد کی تمام تر توجہ ہنگامی حالات پر مرکوز ہے، ایسی اہم تبدیلی کی کسی تجویز کو سامنے لانا، بے موقع سمجھا جائے گا۔ اس لئے ہم اسے موزوں وقت پر اٹھا رکھنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس وقت ہماری ہر مساعی، ہنگامی مسائل کے لئے وقف رہنی چاہیئے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ ادارہ طلوعِ اسلام کی مطبوعات حسبِ ضرورت آپ کو گھر بیٹھے مل جائیں اور آپ ڈاک خرچ سے بھی بچ جائیں تو اس کے لئے ادارہ کے

پیشگی خریدار بن جائیے

ایک سو روپیہ یک مشت یا پچیس پچیس روپے کی چار ماہانہ قسطوں کی ادائیگی سے آپ ادارہ کے پیشگی خریداروں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اس کھاتے سے آپ کو ہر مطلوبہ کتاب بلا ڈاک خرچ باقاعدگی سے مہیا کی جاتی رہے گی

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام

پس از مدت ازیں شاخ کہن بانگ ہزار آمد

اقبال ؒ

ہزاروں میں سے چند آوازیں

عظیم شہید کے نام بہن کا خط

شہید ملت میجر عزیز بھٹی (نشان حیدر) کی شہادت کی خبر سنکر ان کی ہمشیرہ نے مرحوم کی یاد میں ایک خط کراچی سے لکھا جو ۷ راکتوبر کے اخبارات میں شائع ہوا۔ خط حسب ذیل ہے!

میرے راجہ بھائی! میں گھر سے بہت دور تھی کہ تمہاری شہادت کی خبر سنی۔ وطن پر قربان ہونے والوں میں تمہارا نام آیا تو جانتے ہو تمہاری بہن پر کیا گذری؟ تم سوچتے ہوگے کہ میں نے تمہاری یاد میں سسکیاں بھری ہونگی۔ نہیں بھیا! میں نے ایسا تو ہرگز نہیں کیا۔ میں نے تمہاری تصویر اٹھائی۔ اُسے آنکھوں سے لگایا۔ اور پھر آپ ہی آپ بے ساختہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے ـــ

توسنے بہن کی لاج رکھ لی۔ بھیا تو کتنا بہادر نکلا۔

اور ہاں بھیا! میں روئی بھی تھی۔ رونا اس لئے نہیں آیا تھا کہ میں اپنے راجہ ویر کو اب کبھی نہیں دیکھ سکوں گی۔ بلکہ آنکھیں اس لئے بھر آئیں کہ کاش میں تمہارے قریب ہوتی اور شہید بھائی کی پیشانی چوم سکتی۔

لوگ کہتے ہونگے کہ میں پاگل ہوگئی ہوں جو تم سے باتیں کر رہی ہوں۔ لیکن تم تو زندہ ہو۔ ہمیشہ زندہ تھے اور ابد تک زندہ رہو گے۔ شہید کبھی نہیں مرتے۔ اچھا بھیا۔ خدا حافظ اپنی بہن کی دعائیں قبول کرو۔　　(تمہاری بہن۔ زیب رانی۔ کراچی)

بیٹے کی جگہ

خاکی شلوار اور قمیض میں ملبوس۔ سر پر ٹوپی اور گلے میں تھیلا لٹکائے سفید ریش بزرگ نے کمانڈنگ آفیسر کو سیلوٹ کیا۔ اور جذبات سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا، صاحب! میں اپنے شہید بیٹے کی جگہ پُر کرنے حاضر ہوگیا ہوں۔ میں مشین گن چلانے میں مہارت رکھتا ہوں۔ اور جذبۂ شہادت سے سرشار ہوں۔ میں خوش ہوں کہ میرے بیٹے نے قوم، ملک اور اسلام کی راہ میں اپنی جان قربان کی۔ ایک تو کیا۔ اگر سو بھی ہوتے تو اس راہ میں قربان کر دیتا۔

یہ بزرگ تھے کیپٹن سوندے خاں ــ شہید غلام اکبر علی نائب صوبیدار کے والد۔ جو بیٹے کی شہادت کی خبر سنتے ہی ان کی جگہ لینے کمانڈنگ آفیسر کے پاس پہنچ گئے۔ یہ سُنکر کمانڈنگ آفیسر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بابا جی! جزاک اللہ! جس قوم میں آپ جیسے والدین اور بزرگ موجود ہوں اسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔

ابّا جی کی شہادت کے بعد

افواج پاکستان کے کچھ مجاہدین سیالکوٹ محاذ کی طرف جاتے ہوئے ایک بستی کے قریب برلب سڑک رک گئے۔ بستی کے لوگ انہیں دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے۔ ان میں ایک ننھا بچہ بھی تھا جس نے آگے بڑھ کر فوجی انداز میں سیلوٹ کیا۔ ایک فوجی مجاہد کو ننھے کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اس نے آگے بڑھ کر اُسے اُٹھا لیا۔ "کیا تم بھی مجاہد بنو گے بیٹا؟" مجاہد فوجی نے پیار سے سوال کیا۔ "ضرور۔ ضرور۔ ابھی ابھی میرے ابا جی لڑائی میں شہید ہوگئے ہیں۔ میں فوجی بنوں گا اور دشمنوں سے ابا جی کا انتقام لونگا۔"

ایک درویش کا مالی جہاد

شورکوٹ شہر میں ایک حلقے کے چیئرمین دفاعی فنڈ کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے کہ قریب کی بستی کے ایک مشہور درویش ان کے پاس آئے۔ یہ درویش جنہیں علاقہ بھر میں "حاجی صاحب"

کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، مرجع عام و خاص ہیں اور گاؤں سے باہر ایک جھونپڑی میں سوت کات کر گذر اوقات کرتے ہیں۔ چیئرمین صاحب نے بڑی عقیدت اور احترام سے انہیں خوش آمدید کہا اور کئی سالوں کے بعد پہلی بار اس طرح اپنی جھونپڑی سے باہر اسقدر دور تشریف لانے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے چار سو روپے چیئرمین کے سامنے ڈھیر کر دیئے اور کہا۔ یہ میری عمر بھر کی حلال کمائی ہے جو میں نے سوت کات کر جمع کی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ پاک سرزمین کے دفاع کے لئے کام آگئی۔

محمود و ایاز ایک ہی صف میں

۱۸ ستمبر کو قبل از دوپہر ریڈ کراس کے دفتر میں خون کا عطیہ پیش کرنے کے لئے بیک وقت دو ایسے خاندانوں کے افراد داخل ہوئے جن میں سے ایک اگر محمود کی سطح پر تھا تو دوسرا ایاز کی حالت میں۔ مگر وطن عزیز کی سلامتی کے لئے یہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے تھے۔ ایک کنبہ مشہور ارب پتی سہگل خاندان کا تھا جس کے افراد جوہر آباد سے کاروں میں سیدھے یہاں پہنچے تھے اور دوسرے دو بھکاری تھے جو اپنے آپ کو پیدل گھسیٹتے آئے تھے۔ نیز بٹی میتو ضلع شیخوپورہ کا ایک غریب کسان بھی جو اپنے دور دراز گاؤں سے پیدل چل کر یہاں خون دینے پہنچا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں سے بھوکا پیاسا تھا۔ خون لینے سے پہلے اُسے کھانا کھلایا گیا۔

ننھے بیٹے کا جذبۂ شوقِ جہاد

فیض باغ کے ننھے مجاہد منصور رشید نے سنا کہ اس کے ابا اسلام کی حفاظت کے لئے میدان جنگ میں جا رہے ہیں تو وہ تیزی سے گھر پہنچا اور اپنے ابا کے پاؤں سے لپٹ کر کہا کہ "ابا جی مجھے بھی ساتھ لے جایئے۔" ابا نے کہا "نہیں بیٹا تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ وہاں جا کر کیا کرو گے۔ وہاں تو قدم قدم پر موت سامنے ہوتی ہے۔" "نہیں ابا! مجھے موت کی کوئی پرواہ نہیں۔ آپ رائفل چلاتے جایئے گا اور میں آپکے گولیاں اٹھا اٹھا کر دیتا جاؤں گا" منصور رشید نے سینہ تان کر کہا۔ باپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ انکا منجھلا بیٹا مسعود رشید پہلے ہی مجاہد فورس میں بھرتی ہو کر ڈیوٹی پر جا چکا تھا۔

مجاہدوں پر ہزار ٹیکسیاں قربان

ایک فوجی گاڑی بلیک آؤٹ کے دوران رات کے اندھیرے میں آگے جانے والی ٹیکسی سے

ٹکرا گئی۔ ٹیکسی کی عقبی بتیاں ٹوٹ گئیں اور باڈی کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ فوجی گاڑی سے ایک افسر جھٹ سے باہر نکلا اور ٹیکسی والے سے کہا۔ "چلئے جناب پولیس سٹیشن۔ غلطی میری تھی۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اس لئے تصفیہ کا کام پولیس کے سپرد کرکے مجھے جلد ڈیوٹی پر واپس پہنچنا ہے۔" ٹیکسی والا حیرت سے فوجی افسر کا منہ تک رہا تھا۔ اُسے اب تک ایسے ہی لوگ ملے تھے جو اپنی غلطی محسوس کرکے بھاگ کھڑے ہوتے تھے۔ لیکن آج ایک غلطی کرنے والا پولیس کے پاس چلنے کی دعوت دے رہا تھا۔ یہ ملک اور قوم کا جیالا محافظ تھا۔ ٹیکسی والے نے بھی جذبۂ صادقہ سے سرشار ہو کر کہا

"کوئی بات نہیں حضور! آپ سلامت رہیں گے تو ٹیکسیاں نئی بن جائیں گی۔ جلدی سے ڈیوٹی پر پہنچئے۔ ایسی ہزار ٹیکسیاں آپ پر قربان کی جاسکتی ہیں۔"

..... ورنہ سر پھوڑ لوں گا

ایک سفید ریش بزرگ صبح سویرے میو ہسپتال میں خون دینے آئے۔ ڈاکٹر نے اُسے ایک نظر دیکھا اور کہا۔ "بابا! ہم پچاس سال سے اوپر کی عمر کے لوگوں کا خون نہیں لیتے۔" بوڑھے بزرگ نے منت سماجت شروع کر دی اور جب ڈاکٹر اس پر بھی رضامند نہ ہوا تو وہ غصے میں بپھر گیا اور کہا "تو پھر دیکھئے ڈاکٹر صاحب! میں ابھی اپنا سر دیوار سے پٹخ کر اپنا خون بہا دوں گا۔ وہ خون کس کام کا جو آج بھی قوم کے کام نہیں آسکتا۔" یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ سچ مچ دیوار کی طرف بڑھا۔ ڈاکٹر یہ دیکھ کر سہم گیا۔ اُسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہو گیا۔ اس نے جلدی سے بابا کو روکا اور خون لینے پر رضامند ہو گیا۔

ہنسی خوشی رخصت کرو

دن کے دس بجے تھے صوبائی دارالحکومت کی ایک تنگ سی گلی کے بوسیدہ مکان میں کچھ عورتیں اور بچے جمع تھے۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ گھر کی بیوہ مالکہ کا اکلوتا طارق میدان جنگ کے لئے رخصت ہو رہا ہے۔ بوڑھی ماں اپنے نورِ نظر کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے اپنی ننھی بیٹی سے کہہ رہی تھی۔ "بیٹی! اپنے بھائی کو ہنسی خوشی محاذ پر رخصت کرو۔" نگہت نے بھائی کو پیار بھری نظر سے دیکھتے ہوئے کہا "یہ لو سعید! روٹیوں کا رومال۔ پاکستان کے نام کی لاج رکھنا۔ تمہاری امی اور بہن کو کہیں دوسروں کے سامنے شرمسار نہ ہونا پڑے۔ خدا تمہارا نگہبان ہو!"

آرام کا وقت نہیں

ریڈکراس بلڈ بنک میں ایک رضا کار ڈاکٹر صاحب سے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب آپ تھوڑی دیر آرام کر آئیں۔ پندرہ دن سے آپ شب و روز مسلسل کام کر رہے ہیں۔" اور ڈاکٹر نے نہایت اطمینان سے رضا کار کو تھپکی دیتے ہوئے کہا "اٹھارہ برس میں بہت آرام کیا ہے بھائی۔ اب آرام کی مہلت کہاں۔ یہ تو قوم کے لئے مسلسل جد و جہد اور سب کچھ قربان کرنے کا وقت ہے۔ آج کا آرام قوم سے غداری کے مرادف ہے۔"

فلمی ایکٹر میدان جنگ میں

کمانڈر نے محاذ پر علی عباس کہہ کر پکارا تو بھاری بھرکم جسم اور سرخ و سفید چہرے مہرے کا ایک شخص جلدی سے اُٹھ کر کمانڈر کی طرف دوڑا۔ فلمی دنیا میں یہ طالش ایکٹر کے نام سے مشہور تھا۔ لوگوں کو علی عباس کے نام پر طالش کو دوڑتے دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔ لیکن مصنوعی طالش اب میدان جنگ میں واقعی علی عباس کے حقیقی روپ میں آچکا تھا۔ قوم کی محبت اور وطن کی حفاظت اُسے ایک بار پھر فلمی دنیا سے میدان جنگ میں لے آئی تھی۔ جنگ نے کتنے ہی مصنوعی خول چہروں سے اتار پھینکے تھے۔ طالش اگر بازار سے گذرے تو فلمی دنیا کے سینکڑوں پروانے اس شمع کے گرد ہجوم کر آئیں۔ لیکن آج نگاہیں اُسی طالش کو اپنے کمانڈر کے حکم پر جنگی چالوں کی مشق کرتے ہوئے زمین پر اوندھے منہ رینگتے دیکھ رہی تھیں ـــــ طالش اب علی عباس کے حقیقی اور مجاہدانہ روپ میں نظر آرہا تھا۔ اسی قطار میں اس کے ساتھ ایک صحافی، ایک ٹیکسیوں کا مالک اور ایک چھابڑی فروش بھی کھڑے تھے۔ آج وہ سب ایک تھے ـــــ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز۔

مجھے مبارک باد دو

گجرات کے ایک گاؤں کالا چور میں میدان جنگ سے ایک شہید نوجوان کی لاش لائی گئی۔ یہ شہید اپنی بوڑھی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماں بیٹے کی لاش کو دیکھ کر خدا کی بارگاہ میں سربسجود ہوگئی۔ قریب کے گاؤں سے رشتہ دار تعزیت کے لئے آئے تو انہوں نے دیکھا کہ بوڑھی ماں فخر سے سر بلند کئے بیٹھی ہے۔ اور چہرے پر کسی رنج و غم کا نام و نشان تک نہیں۔ رشتہ داروں کو دیکھ کر اُس نے کہا۔ میرے

بیٹے نے ملک اور قوم کی راہ میں جان دی ہے۔ میں ایک شہید کی ماں ہوں اس لئے اظہار افسوس کی بجائے مجھے مبارک باد دو۔ یہ سعادت ہر ماں کو نصیب نہیں۔

سب مجاہد میرے بیٹے ہیں

یہ ۱۴ ستمبر کا واقعہ ہے۔ مال روڈ پر ایک بڑھیا سر پر کپڑوں کا ایک بکس اٹھائے ہانپتی کانپتی جا رہی تھی۔ ایک درخت کے قریب پہنچ کر اس نے بمشکل بکس سر سے اتارا اور درخت کے سائے میں سستانے کے لئے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور قریب سے گذرتے ہوئے ایک نوجوان سے پوچھا کہ مجاہدوں کے لئے کپڑے جمع کرانے کا دفتر کہاں ہے۔ یہ نوجوان ایک اخبار کا نامہ نگار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ بوڑھی اماں! وہاں کس کام جا رہی ہو؟ کیا کوئی مرد گھر پر نہیں تھا؟ بڑھیا کہنے لگی۔ میرا ایک ہی بیٹا تھا وہ فوج میں بھرتی کرا دیا۔ اگلے ماہ اس کی شادی تھی۔ یہ کپڑے اسی کے لئے تیار کرائے تھے۔ اب سوچا کہ انہیں اپنے دوسرے بیٹوں کے لئے کیوں نہ دے آؤں۔ "دوسرے بیٹے کون سے بوڑھی اماں؟" نامہ نگار نے پوچھا۔ "تم نہیں جانتے بیٹا؟ کیا یہ سب مجاہد جو ہماری خاطر میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں، میرے بیٹے نہیں؟ میں ان سب کی ماں ہوں۔ اور یہ سب مجھے اپنے بیٹے سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ انہی کے دم سے تو ملک کا نام روشن اور قوم کی عزت و آبرو محفوظ ہے"۔ یہ کہتے ہوئے بڑھیا قریب ہی واقعہ ریڈ کراس کے دفتر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ایک نئی چمک تھی اور نامہ نگار حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اپنا ہی خون کام آیا

ارض پاک کی سرحدوں پر بھارتی جارحیت سے ایک روز قبل دو فوجی افسر ریڈ کراس بلڈ ڈونرز سنٹر میں خون دینے آئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ وطن کی حفاظت کریں۔ خون دینے کے لئے تو ساری قوم موجود ہے۔ لیکن وہ خون دینے پر بضد رہے اور خون دے کر چلے گئے۔ دوسرے دن لاہور سیکٹر پر لڑتے ہوئے ان میں سے ایک افسر زخمی ہو گیا۔ ہسپتال میں اسے جو خون دیا گیا تھا وہ اس کا اپنا ہی خون تھا۔ کیسی ابھری ہوئی تفسیر ہے یہ اس ارشاد خداوندی کی کہ — وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ (۸/۶۰) — جو کچھ تم خدا کی راہ میں دو گے وہ تمہیں واپس لوٹا دیا جائے گا!

اماں ناراض ہوں گی

ریڈ کراس کے دفتر میں ایک بچہ آیا اور خون دینے کی خواہش کی۔ ڈاکٹروں نے بچے کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ چھوٹے بچوں کا خون نہیں لیتے۔ ننھے مجاہد کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور رو کر کہنے لگا کہ اگر آپ نے میرا خون نہ لیا تو امی جی ناراض ہو جائیں گی۔ ابا جان میدان جنگ میں ہیں۔ اور امی نے مجھے ساڑھے چار آنے بس کا کرایہ دے کر یہاں خون دینے کے لیے بھیجا ہے۔ بچے نے کچھ دیر ضد کی لیکن جب ڈاکٹروں نے اسے سمجھایا کہ اس کا خون کیوں نہیں لیا جا سکتا تو وہ واپس چلا گیا۔ واپس جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

میدان جنگ سے ایک پیغام

جنگ کے دوران میں ضلع لائل پور کے ایک گاؤں نارا ڈاڈا میں ایک نوجوان مجاہد نے میدان جنگ سے اپنی والدہ کو جو بیوگی کے دن گذار رہی ہے، یہ پیغام بھجوایا کہ اماں جی میں خیریت سے ہوں۔ میں میدان جنگ سے اسی صورت میں گھر واپس آؤنگا جبکہ میرے وطن کو فتح نصیب ہو۔ ورنہ لڑتے لڑتے جان دے دونگا۔ بوڑھی اماں نے یہ پیغام سنا اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے۔ اور اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا — میرے بیٹے تم نے میرا دودھ حلال کر دیا۔

آنسو بہاؤں کیوں؟

شاہدرہ کی ایک بستی لاجپت نگر میں میدان جنگ سے ایک مجاہد کی لاش آئی۔ تو ساری بستی کے لوگ جمع ہو گئے۔ بوڑھے باپ نے پہلے شکرانے کے نفل ادا کئے۔ پھر آہستہ سے اپنے نور نظر کی لاش سے چادر الٹی۔ اور حاضرین کو مخاطب کر کے کہا۔ "میرے بیٹے نے قوم کی لاج رکھ لی۔ دیکھنا شہید کی لاش پر آنسو نہ بہانا۔ میں نے اپنے بیٹے سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس نے وطن کی حفاظت کے لئے جان قربان کی تو میں نہ خود کوئی آنسو بہاؤنگا اور نہ کسی دوسرے کو رونے دونگا۔

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر

حبیب بنک لمیٹڈ لاہور چھاؤنی میں ایک خستہ حال بوڑھا آیا اور بنک والوں کو آٹھ سو روپے

کی رقم دفاعی فنڈ میں پیش کی۔ اس پوٹلی میں روپے روپے کے نوٹ بھی تھے اور بہت سی ریزگاری بھی۔ بینک کے کلرکوں کے استفسار پر اس نے بتایا کہ وہ ایک غریب آدمی ہے اور یہ رقم اس نے حج کے لئے کئی سالوں میں ایک ایک پیسہ کرکے جمع کی تھی۔ لیکن اب ملک کو اس کی ضرورت ہے۔ جو کچھ جمع کر رکھا تھا سب کا سب اٹھا لایا ہوں۔ ایک پیسہ اپنے پاس باقی نہیں رہا۔

ہزاروں میل دُور سے

امریکہ (کنساس) سے لاہور کے ایک روزنامہ کی وساطت سے ایک پاکستانی نوجوان محمد سلیم بٹ نے صدر مملکت کے نام ایک خط میں لکھا کہ جس دن سے بھارت نے ہماری مقدس سرزمین پر حملہ کیا ہے، ایک پل چین نصیب نہیں۔ میں وطن پہنچنے کے لئے بیقرار ہوں کیونکہ پاکستان کو ایک ایک نوجوان کی ضرورت ہے۔ میرا نام بھی مجاہدین وطن کی فہرست میں شامل کر لیجئے۔ اور جب ضرورت ہو مجھے یہاں سے واپس بلا لیجئے۔ میں یہاں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پاکستان پہنچ جاؤں گا۔

ایک ٹانگ کے بغیر

راجپوت رجمنٹ کا ایک سابقہ سپاہی راولپنڈی ریکروٹنگ آفس میں حاضر ہوا اور محاذِ جنگ پر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ بندو خاں کی ایک ٹانگ پچھلی جنگِ عظیم میں ضائع ہو گئی تھی۔ اس بنا پر فوجی افسران نے اس کے مسلسل اصرار کے باوجود اسے بھرتی کرنے سے معذوری ظاہر کی۔ سپاہی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور دل شکستہ ہو کر کہنے لگا "جناب رائفل چلاتے ہوئے ہاتھوں سے کام لیا جاتا ہے اور میرے دونوں ہاتھ صحیح کام کر رہے ہیں"۔ آخر فیصلہ ہوا کہ بندو خاں کو ایک آٹومیٹک رائفل دی جائے اور وہ پانچ سو گز سے پانچ نشانے لگائے۔ اگر اس کے نشانے صحیح ہوئے تو اسے بھرتی کر لیا جائے گا۔ بندو خاں نے پانچوں نشانے ٹھیک ٹھیک لگائے اور ریکروٹنگ افسر نے وعدہ کے مطابق اُسے بھرتی کر لیا۔ آج کل وہ ایک اہم مقام پر اپنی ڈیوٹی دے رہا ہے۔

سب کچھ لُٹا دیا

لاہور میں چند طالب علم مجاہدوں کے لئے ضرورت کی اشیاء جمع کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی اور اہل خانہ سے کچھ دینے کی اپیل کی۔ اندر سے ایک خاتون

باہر آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک پرانی قمیض تھی۔ اسے دیکھ کر ایک طالب علم نے پوچھا کہ کچھ اور نہیں دیجئے گا آپ؟ خاتون نے گردن جھکائی اور آہستگی سے کہا۔ شوہر اور تین بیٹے وطن کی حفاظت کے لئے دے چکی ہوں۔ اب میرے پاس اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

باپ کی خوش قسمتی پہ ناز

بزم طلوع اسلام' اسلام آباد' کے نمائندہ محمد اسلم ریٹائرڈ فوجی تھے۔ جہاد کی آواز سنتے ہی دوبارہ فوج میں چلے گئے اور چار ہی روز کے اندر لاہور کے محاذ پر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی ــــ عزیزہ پروین ــــ نے' جو آٹھویں جماعت کی طالبہ ہے' اپنے بابا جی (پرویز صاحب) کو اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ــ "پیارے بابا جی! ابا جی نے بہت بڑا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اسلام میں شہادت کی موت سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ شہید تو زندہ ہیں۔ صرف ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ ابا جی قرآنی فکر کو پروان چڑھانے کے لئے رات کی نیند تک حرام کر دیتے تھے۔ ان کی یہ دلی تمنا تھی کہ میں اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ وقت اس میں صرف کروں۔"

یہ اس بیٹی کا خط ہے جس کے باپ کی شہادت کے بعد اس نو دس افراد کے کنبے کا کوئی سہارا نہیں رہا۔

سر خاکِ شہیدے بر گہائے لالہ می پاشم
کہ خونش با نہالِ ملتِ ما سازگار آمد

کراچی میں پرویز صاحب کا درس قرآن کریم

سننے کے لئے

ہر اتوار کی صبح کو ۹ بجے سندھ اسمبلی ہال بندر روڈ

ــــ میں تشریف لائیے ــــ

حریم ملت کے پاسبان

کم و بیش چودہ صدیاں بیت گئیں۔ انسانی زندگی کے افق پر ایک نئی قوم صبح امید کا ستارہ بنکر اُبھری اور زندگی کی گذرگاہ پر ایسے نشان چھوڑ گئی جو آنے والے قافلوں کو برابر منزل مقصود کا سراغ دیتے رہے۔ اس ملت کا ہر فرد خدا کا سپاہی تھا اور بصدا انداز یکتائی ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں خدا کی آخری کتاب تھامے ہوئے تھا۔ اس کی زندگی کا پیش نہاد اور منشاء و مقصود خدا کی زمین پر خدا کے قوانین کو عملاً متشکل کرنا تھا۔ خدا کی یہ آخری کتاب (قرآن کریم) ان قوانین کا سرچشمہ حیات قرار پائی تھی اور یہ تلوار اس نظام کے تحفظ اور بقا کا فریضہ سرانجام دیتی تھی۔ جہاں یہ تلوار ہمیشہ قرآن کی حفاظت کے لئے نیام سے باہر آتی تھی وہاں قرآن اسے اس حسن انداز سے اپنی حفاظت اور نگرانی میں لئے ہوئے تھا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی منشاء کے خلاف حرکت میں نہ آنے پائے۔ تلوار اور قرآن کے اس باہمی ربط و ضبط سے تاریخ انسانی میں جو معجزے رونما ہوئے۔ ان کی کشورکشائیوں سے جو عالم آرا نظام خدا کی زمین پر فصل بہار بن کر مہکا اور برگ و بار لایا۔ ان پاکیزہ مقاصد اور مقدس جہاد کے صدقے میں نوع انسانی کو امن و سلامتی کا جو بہار آفریں دور دیکھنا نصیب ہوا، گردش لیل و نہار اس کے بعد صدیوں تک ان کی جھلک دیکھنے کو ترس گئی۔ قرآن کا نظام خود اس پر ایمان رکھنے کے مدعیوں کی مفاد پرستیوں کی زد میں آگیا اور تلوار اس کی نگرانی اور سرپرستی سے محروم ہو کر انکی ہوس اقتدار کی تسکین کا ذریعہ بنکر رہ گئی۔

قیام پاکستان اور تاریخ کا نیا باب

صدیوں بعد برصغیر ہند میں پھر یہ صدائے بازگشت سنائی دی کہ اس قوم کے جانشین ایک خطہ زمین میں اپنی جداگانہ مملکت کا قیام عمل میں لائیں اور تلوار اور قرآن کے اسی ربط و ضبط سے پھر عہد رفتہ کی تاریخ کو از سر نو دہرا دیں۔ خدائے ذوالمنن نے ان مقدس عزائم اور پاکیزہ امنگوں کو شرف پذیرائی بخشا اور پاکستان کے نام سے اس

جداگانہ مملکت کا قیام عمل میں آگیا۔ لیکن اس برصغیر کی تقسیم سے ایک دوسری مملکت بھارت کے نام سے بھی قیام پذیر ہوئی جو مملکت پاک کے عزائم اور امنگوں کی راہ میں ایک مستقل چیلنج بن کر حائل ہو گئی۔ پورے اٹھارہ برس بھارت کے رہنماؤں نے شرفِ انسانیت کو جس ڈھٹائی اور بے حیائی سے زخم پر زخم لگائے اس کی تفصیل سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ پاکستان کی قیادت نے یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اٹھارہ سال مسلسل امن پسندی سے کام لیا لیکن جب ذلیل دشمن کے ناپاک عزائم خود اس کی اپنی سلامتی کے لئے ایک خطرۂ عظیم بن کر سامنے آ گئے تو اس فریضۂ دینی کی مردانہ وار ادائیگی کا مرحلہ اُبھر کر سامنے آ گیا جو بدر و حنین اور قادسیہ و یرموک کے میدانوں میں ادا کیا گیا تھا۔

"تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے" پتہ نہیں دیگر اقوام و ملل کے معاملہ میں یہ مقولہ کس حد تک درست ثابت ہوا ہو۔ لیکن جہاں تک پاکستان اور بھارت کے مابین گذشتہ ستمبر کی سترہ روزہ تاریخی جنگ کے معرکۂ حق و باطل کا تعلق ہے، پوری دنیا نے جس میں اپنے اور بیگانے سب شامل ہیں، اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تاریخ نے واقعی اپنے آپ کو دہرایا اور حریت و شجاعت، سرفروشی و مردانگی اور غیرتِ ایمانی کے وہ شاہکار محسوس و مشہود طور پر جگہ جگہ اُبھر کر سامنے آ گئے جن کا تذکرہ صرف صدیوں قبل کی تاریخ میں تو ملتا تھا، عملاً کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔ یہ جنگ عارضی طور پر رک گئی ہے لیکن اس جنگ میں افواجِ پاکستان کے خون سے ہماری تاریخ کا جو نیا باب ترتیب پایا، اُس کا ایک ایک ورق تاریخ میں محفوظ رہے گا اور آئندہ نسلوں کو یہ حقیقت سمجھاتا رہے گا کہ

مثلِ کلیمؑ ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاَ تَخَفْ

یہ کارنامے عہدِ رفتہ کی تاریخ کا کوئی بھولا بسرا باب نہیں بلکہ ابھی ابھی دشمن کے مقابل، میدانِ جنگ میں ہمارے غازیوں اور شہیدوں کے گرم گرم خون سے ترتیب پائے ہیں۔ ہم سرفروشی و جاں سپاری کے اسی لالہ زار سے چند حسین پتیاں اور پھول قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ ان کی نکہت فشانی سے صدیوں تک مشامِ جان جھوم جھوم اٹھے گی۔

پاکستان کا پہلا طارق میجر شفقت بلوچ

ساری دنیا کو معلوم ہے کہ بھارت نے ۶ ستمبر کو صبح سویرے منہ اندھیرے، پاکستان کی شہ رگ کو کاٹنے کے ناپاک عزم سے، بے خبری کے عالم میں، بلا اعلانِ جنگ، ایک لاکھ فوج کے ساتھ لاہور

پر تین اطراف سے حملہ کیا تھا۔ پاکستان کی بہت تھوڑی سی فوج اس سرحد پہ موجود تھی لیکن اس نے جس سرفروشی اور جرأت سے اس حملے کو پسپا کیا اُس پر آج پوری دنیا محو حیرت ہے۔ اس حملے کو روکنے میں پاکستان کے جس عظیم مجاہد کو "طارق" کہلانے کا شرف حاصل ہوا وہ میجر شفقت بلوچ (ستارۂ جرأت) ہیں۔ میجر شفقت اس شب ہڈیارہ کی سیکٹر پر اپنی کمپنی کے ایک سو جیالوں کے ساتھ متعین تھے۔ رات کے تین بجے اندھیرے میں انہوں نے ایک پورے بریگیڈ کو جو ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں سے مسلح تھا، پاکستان کی طرف بڑھتے ہوئے پایا۔ یہ ایک خوفناک حملہ تھا اور میجر شفقت نے فوراً محسوس کیا کہ ان کی عظیم آزمائش کا تاریخی مرحلہ سامنے آگیا۔ وہ جانتے تھے کہ اتنے بڑے حملے کے لئے ان کے پاس حسب ضرورت فوج نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے تھوڑے سے مجاہدوں کو لے کر تیزی سے اگلے مورچوں کی طرف بڑھے اور وہاں پہنچ کر انہوں نے شاہبازوں کو اس دشمن پر جھپٹنے کا حکم دیا جس کے مقابلے میں وہ تعداد اور بہترین اسلحہ کے اعتبار سے عشر عشیر بھی نہیں تھے۔

اسلام کی تاریخ میں یہ معرکہ ہمیشہ زندہ جاوید رہے گا اور سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔ آسمان کی نگاہ نے آج تک جرأت و مردانگی کا ایسا شاہکار نہیں دیکھا تھا جب ایک سو مجاہد ایک پورے بریگیڈ پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے ہوں اور انہوں نے ان کے ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں اور سینکڑوں سورماؤں کو راکھ کے ڈھیر بنا کر رکھ دیا ہو۔ دشمن کے لئے مٹھی بھر غازیان صف شکن کا یہ معجزانہ دفاع موجب حیرت میں غرق کرنے کیلئے کم نہ تھا۔ وہ بار بار بوکھلایا اور بار بار از سر نو منظم ہو کر پوری قوت سے حملہ آور ہوا۔ لیکن میجر شفقت اور اس کے جانباز تھے کہ فولاد کی دیوار بن کر سامنے کھڑے تھے۔ دشمن ہر بار سانپ کی طرح بل کھا کر آگے بڑھا اور ملت کے یہ شاہباز بار بار جھپٹتے اور اس کا منہ پھیر دیتے رہے۔ یہی نہیں۔ وہ آگے بڑھ کر دشمن کے دائیں بازو پر جھپٹے اور اُسے ناکارہ بنا دیا۔ پھر انہوں نے بائیں بازو کا رُخ کیا اور بلائے ناگہانی بن کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار دشمن کے ٹینک ایک ایک کر کے آگ کے شعلوں میں تبدیل ہوتے گئے اور پاکستان کا طارق، اسلام اور پاکستان کی عظمت کا علمبردار بن کر دشمن پہ ضرب کاری لگاتا چلا گیا۔ پاکستان کے یہ قابل فخر مجاہد پورے نو گھنٹے بھاری یلغار کے سامنے سد سکندری بن کر ڈٹے رہے اور اس وقت تک ایک قدم پیچھے نہیں ہٹے جب تک کہ میجر بلوچ کو یہ سگنل موصول نہیں ہو گیا کہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ شفقت بلوچ دشمن کی ایک گولی سے زخمی ہو گئے لیکن انہوں نے اس زخم کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی۔ اور اپنے مجاہدوں کی قیادت کرتے ہوئے برابر دشمنوں کا سر کچلتے رہے۔

پاکستان کے اس پہلے طارق کی جرأت و شجاعت کے اعتراف کے طور پہ "ستارہ جرأت"

کا تمغہ عطا ہوا ہے۔ اس کا زخم اب مندمل ہو چکا ہے اور دشمن کے مقابلے میں مردانگی کے جوہر دکھانے کے لئے وہ اب پھر بے تاب نظر آتا ہے۔ اُسے اس کا ذرہ بھر خیال نہیں کہ اُس نے ملک اور قوم کے دفاع کے لئے کس قدر عظیم اور زندہ جاوید معرکہ سرانجام دیا ہے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ اس نے ملک ملت اور اسلام کے لئے ایک فریضہ ادا کیا ہے اور بس۔

شہید ملت راجہ عزیز بھٹی

برکی سیکٹر کے اسی محاذ پر شجاعت و مردانگی اور سرفروشی و جانبازی کی ایک اور داستان اس مجاہد کے خون شہادت سے لکھی گئی ہے جسے جانبازی کا عظیم ترین امتیاز "نشان حیدر" عطا ہوا ہے جس کی عظمت کے گیت آج پاکستان کی تمام گاہوں سے گونج رہے ہیں اور جس کی یاد میں پوری قوم تحسین و آفرین کے نذرانے پیش کر رہی ہے۔ یہ ہیں عزیز ملت عزیز بھٹی (نشان حیدر) جنہوں نے ۱۹۵۰ء میں کاکول ملٹری اکیڈیمی سے کمیشن لیا اور اس موقع پر اسوقت کے وزیر اعظم مرحوم لیاقت علی خاں کے ہاتھوں فارمن گولڈ میڈل اور اعزازی شمشیر کے دو اہم امتیازی نشان حاصل کئے۔ ۶۔ ستمبر کو بھارت کے حملہ کے موقع پر میجر عزیز بھٹی برکی سیکٹر پر پنجاب رجمنٹ کی ایک کمپنی کی کمان کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کی دو پلٹنیں راوی بیدیاں نہر سے چھ سو گز کے فاصلے پر تھیں لیکن انہوں نے اپنی کمپنی کے ساتھ برکی میں نہر کے پار جا کر لڑنا پسند کیا۔ اس نہر کو پار کرنے کے لئے دشمن نے ٹینکوں توپوں اور بکتر بند گاڑیوں سے لیس ایک پورے ڈویژن کے ساتھ حملہ کیا۔ لیکن میجر بھٹی نے اس ٹڈی دل کو پسپا کر کے رکھ دیا۔ نہر پر قبضہ کرنے کے لئے دشمن نے بار بار چھ منظم حملے کئے لیکن میجر بھٹی اپنے جانبازوں کی معیت میں انہیں ہر بار شکست دیتے رہے۔ اور خود سب سے اگلی صف میں رہ کر بے مثال جرأت سے تاریخ کا ایک زندہ جاوید کارنامہ سرانجام دیتے رہے۔ واضح رہے کہ یہ نہر اُس وقت باب پاکستان لاہور کا دفاعی قلعہ تھا لہٰذا بڑی ہی نازک دور اہم حیثیت رکھتی تھی۔ اگر اس نہر کے اُس پار دشمن کو نہ روک لیا ہوتا تو آج معلوم نہیں پاکستان کی تاریخ کیا ہوتی۔ ان جانفروش مجاہدوں کو اس کا اندازہ تھا۔

۱۰۔ ۱۱ ستمبر کی درمیانی شب کو دشمن نے پورے سیکٹر پر بھرپور حملہ کر دیا اور اس کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا کہ میجر بھٹی کو فوجی حکمت عملی کے تحت نہر کے ہائیں کنارے پر واپس ہٹنے کا حکم ملا۔ دشمن کی فوج ایک طرف اپنا گھیرا تنگ کر کے انہیں نرغے میں لے چکی تھی اور دوسری طرف نہر کے پتن پر قبضہ کر کے انکی واپسی کے راستے بند کر چکی تھی۔ اسلام کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ بے مثال اور زندہ جاوید واقعہ ہے

کہ اس قدر نازک اور خطرناک صورت حال پاکستان کے اس خالد کے عزم کو ذرہ بھر متاثر نہ کر سکی۔ چاروں طرف سے گھرے ہوئے اس بطلِ جلیل نے اپنے چند جانبازوں کی صفیں درست کیں اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمنوں کے بے پناہ ہجوم پر شیروں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اور ان کی صفوں میں بھگدڑ مچا دی۔ دشمن کی صفوں میں یوں کھلبلی مچا کر یہ شیرانِ صف شکن اپنی فوجی گاڑیوں اور اسلحہ سمیت نہر کے پار واپس پہنچ گئے اور دشمن پر فائرنگ شروع کر دی۔

"تاریخ کا ایک نیا مرحلہ سامنے تھا۔ میجر بھٹی پاکستان کی تاریخ کو جرأت مردانہ کے چند نئے اور سنہری کارنامے فراہم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہر قسم کی احتیاط بالائے طاق رکھ دی اور نہر کے کنارے سے ابھر ابھر کر دشمن کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ دشمن کی گولہ باری اب اپنی شدت کو پہنچ گئی تھی اور فوجی نقطہ نظر سے وہاں ڈٹ کر مقابلہ کرنا موت کو دعوت دینے سے کم نہیں تھا۔ تمام افسران کی رائے یہی تھی کہ پیچھے ہٹ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن میجر بھٹی اس ناقابلِ تسخیر ماحول میں بھی تقدیر کا رخ بدلنے پر تلے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بموں کی بارش میں دشمن کا منہ توڑ جواب دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سارا دن اور ساری رات وہ ہماری تاریخ کی شجاعت آفریں داستان ترتیب دینے میں سر دھڑ کی بازی لگاتے رہے۔

۱۲۔ ستمبر کا آفتاب اس مردِ غازی کے لئے زندگی کی عظیم ترین سعادت کا پیغام لئے طلوع ہوا۔ وہ بموں اور گولیوں کے قیامت خیز دھماکوں میں خالد اور طارق کا عکسِ جمیل بنکر ڈٹا ہوا تھا کہ اچانک ٹینک کا ایک گولہ اسکے دائیں کندھے پر آ کر گرا اور اپنا کام کر گیا۔ پاکستان کی اس جنگ کا عظیم ترین غازی شوقِ شہادت کا جھولا جھولتا حیاتِ ابدی کی آغوش میں جا گرا۔ اور گذر گیہ حیات پر ایک ایسا نشان (LAND MARK) چھوڑ گیا جو غازیانِ اسلام کے لئے ان کی منزلِ مراد کا رُخ متعین کریگا۔ گردشِ لیل و نہار کا سلسلہ جاری رہے گا۔ ملتِ پاک کا قافلہ نئی نئی منزلیں طے کرتا اور آگے بڑھتا جائے گا لیکن میجر بھٹی نے عشق و مستی کے جن ولولوں سے اپنی مملکت کے دفاع کا فریضہ سرانجام دیا۔ ان کی یاد ہر دور میں مشعلِ راہ رہے گی۔ عزیزیہ ملت کی عظمتِ کردار کے نغمے گلی گلی، قریہ قریہ اور شہر بہ شہر گونجیں گے اور ملت کے ہر غیور فرزند کو نیا عزم اور نئی جولانیاں عطا کرتے رہیں گے — زندہ باد عزیزیہ ملت!

محاذِ کھیم کرن کا پہلا فاتح

کھیم کرن کے تاریخی شہر پر پاکستان کی فتح و کامرانی کا لہراتا ہوا پرچم آج ہماری جنگی فتوحات میں ایک

عظیم کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن بہت کم پاکستانیوں کو یہ معلوم ہوگا کہ کس مردِ غازی کے خونِ شہادت نے اس محاذ پر ہماری تاریخ کا رُخ پلٹا اور دشمن کے بھرپور حملے کو ایسی شکست فاش میں تبدیل کر دیا جس کے داغ آبِ بھارت دھونا بھی چاہے تو کبھی نہیں دھو سکتا۔ یہ میجر خادم حسین (ستارہ جرأت) تھے جو اپنا نام ابد تک کے لئے نقش کر گئے۔

آج اس محاذ پر میلوں تک بزدل دشمن کے سورماؤں کی لاشیں پڑی سڑ رہی ہیں۔ لیکن جب جنگ شروع ہوئی اور بھارت نے حملہ کیا تو ہماری ایک ایک کمپنی کو دشمن نے ایک ایک بریگیڈ کا سامنا کرنا پڑا۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کا سلسلہ اس تعداد کے ساتھ آ رہا تھا کہ صورت یہ تھی کہ بھارتی فوج کو تازہ بتازہ کمک پہنچ رہی تھی اور ہمارے جانبازوں کو سونے یا آرام تک کرنے کا کوئی ادنیٰ موقع میسر نہیں تھا۔ اور پھر بھارتی ٹینک پاکستان کے اگلے مورچوں تک آگے بڑھ آئے۔ پھر یکایک انہیں کھیم کرن راجباہ پر قبضہ کرنے کا حکم ملا۔ اور بھارتی فوجیں اس زور و شور سے آگے بڑھیں کہ انہیں روکنے کی کوئی کوشش کارگر ہوتی نظر نہیں آتی تھی۔

عین اس موقع پر میجر خادم حسین گولہ و بارود کا سامان اگلے مورچے کے لئے لے جا رہے تھے۔ یکایک وہ رکے اور انہوں نے دیکھا پاکستانی فوج کے ایک اہم مورچے کا توپچی شہید ہو چکا ہے۔ اور دشمن کے ٹینک تیزی سے ان خاموش مورچوں کی طرف بڑھے چلے آ رہے ہیں۔ میجر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس مورچے میں کود پڑا اور توپ سنبھال لی۔ بھارتی ٹینک بہت قریب پہنچ گئے تھے کہ مورچے سے پہلا دھماکہ ہوا اور پہلے ہی نشانے سے دشمن کا اگلا ٹینک روئی کے گالے کی طرح اڑ گیا۔ دوسرے گولے نے دوسرے بھارتی ٹینک کے پرخچے اڑا دیئے۔ لیکن تیسرا ٹینک ان کے مورچے پر چڑھ آیا اور خادم حسین اس کے نیچے کچلے گئے۔ جانباز میجر کی اس جانبازی نے لڑائی کا پانسہ پلٹ دیا۔ دو بھارتی ٹینکوں کی یکے بعد دیگرے تباہی کے بعد ان کے دوسرے ٹینک منہ پھیر کر پیچھے کی طرف بھاگ رہے تھے اور پاکستان کے شاہبازان پر تیزی سے جھپٹ رہے تھے اگلے مورچوں کے انچارج بلاٹون کمانڈر حیات کو خود معلوم نہیں تھا کہ یہ معجزہ کس "فرشتے" نے سرانجام دیا۔ اور جب وہ اس مورچے پر پہنچے تو انہیں اصل کیفیت معلوم ہوئی۔ اور ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اسلام کے شہید! خدا جانے تم کہاں سے آئے اور اس توپ کو سنبھال کر جنگ کا رُخ پلٹ گئے۔

آج کھیم کرن پاکستان کے مجاہدوں کے قدموں میں ہے لیکن اس فتح کے محرکات کو سامنے لایئے تو اسکا سہرا شہید میجر خادم حسین کے سر نظر آئے گا۔ اگر اسوقت یہ مجاہد بجلی کی سی تیزی سے یہ خالی مورچے میں اتر کر توپ نہ سنبھالتا تو خدا جانے کھیم کرن کے محاذ کا نقشہ کیا ہوتا۔

واہگہ سیکٹر کا عظیم ہیرو

اب ہمارے سامنے اس عظیم فاتح اور مرد غازی کا تاریخی شاہکار آتا ہے جس نے واہگہ کے محاذ پر اپنے تابڑ توڑ حملوں سے دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچادی اور اس کی قوت بازو اور صف شکن یلغار سے تاریخ کے صفحات پر وہ درخشاں کارنامہ ثبت ہوا جس نے لاہور پر قبضے کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ اور بھارتی کمانڈر میجر جنرل نرنجن پرشاد کی وہ رسوا کن شکست عمل میں آئی جو پاکستان اور بھارت کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔ زندہ دلان لاہور نے اپنے بازاروں میں جنرل مذکور کی فوجی جیپ کا جلوس نکالا تھا لیکن اس وقت شاید ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے جانشین نے اس بھارتی جنرل کو، جو ایک فاتح کی خوش فہمی سے کر لاہور پر قبضے اور یخ کھانے کا منصوبہ لے کر حملہ آور ہوا تھا، اپنی جیپ، اہم کاغذات اور ڈائری تک چھوڑ بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

افواج پاکستان کے یہ ہیرو میجر نذر حسین خان بلوچ (ستارہ جرأت) تھے جنہوں نے دشمن کی کئی گنا طاقت کو بدترین پسپائی اور شکست فاش سے دوچار کیا۔ دشمن کے سینکڑوں جوانوں کو واصل جہنم کیا۔ ۲۲ ٹینک تباہ کئے اور ۹ ٹینک صحیح و سالم اپنے قبضے میں لے آئے۔ دشمن کی تباہی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اس کے بعد جتنی لڑائیاں اس محاذ پر ہوئیں وہ کئی میل آگے جا کر لڑی گئیں۔

واہگہ کی سرحد پر دشمن کی ناگہانی یلغار کے بعد جب میجر نذر حسین کو آگے بڑھ کر اس کی فوجوں سے نبٹنے کا حکم ملا تو وہ صرف ۳۵ منٹ میں اپنے آرمرڈ سکوئیڈن کو لے کر محاذ پر پہنچ گئے۔ دشمن کی فوجیں ٹڈی دل کی طرح حد نگاہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن یہ مرد غازی باٹا پور پہنچتے ہی اس کے ہراول دستوں پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑا۔ یہ کارنامہ ابھی بمشکل سرانجام پایا تھا کہ اس شیر صف شکن کو نہر پار کر کے ایک خاص علاقے پر قبضہ کرنے کا حکم ملا۔ یہ فریضہ ایسا کٹھن تھا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ دشمن اس علاقہ میں دور دور تک اپنے قدم جما چکا تھا۔ ہمارے بڑھتے ہوئے ٹینک اور مجاہد پوری دشمن کی زد میں تھے لیکن ہماری طرح تاریخ کی نئی عظمتوں کا یہ ہیرو ہر خطرے کے مقابل سینہ سپر آگے بڑھتا گیا۔ اور جب دشمن نے دیکھا کہ اس کی بے پناہ گولہ باری ان سرفروشان اسلام کے سامنے اظہار عجز کر رہی ہے تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور یہ غازی آگے بڑھ کر محاذ کے اس اہم ترین علاقہ پر قابض ہو گئے۔ جیسا کہ بعد میں میجر موصوف نے ایک اخباری انٹرویو میں بتایا وہ خود حیران تھے کہ نہر عبور کرنے اور دشمن پر ضرب کاری لگانے کا یہ معجزہ کیونکر تکمیل پایا۔ یہ سب کچھ صرف تین گھنٹے میں اپنے حاصل تکمیل کو پہنچا۔ اور اس پوری لڑائی میں ہمارے

دو ٹینک کام آئے اور ایک مجاہد شہید ہوا۔ تباہ شدہ ٹینکوں کے نو مجاہدوں میں سے ۷ ارکان تیر کر نہر کے پار پہنچ گئے اور صرف دو دشمن کی گولہ باری کی زد میں آ گئے۔ فتح کے بعد جب میجر نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تو دشمن کی سینکڑوں لاشیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں۔ وہ اپنے شہیدوں کے خون کا بدلہ لے چکے تھے لیکن دو ٹینکوں کا بدلہ چکانا ابھی باقی تھا۔

اگلی صبح میجر نذر حسین بلوچ نے پیش قدمی شروع کی اور دشمن کی صفوں کو تہ و بالا کرتے ڈیڑھ گھنٹے میں جی۔ٹی روڈ پر چودھویں میل کے قریب پہنچ گئے۔ وہاں دشمن کے شرمن ٹینکوں کا پورا اسکواڈرن ان پر حملہ آور ہوا۔ میجر نذر حسین نے سب سے پہلا گولہ خود چلایا اور دشمن کے اگلے ٹینک کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس کے پچھلے دو ٹینکوں کے بھارتی سوار اپنے ٹینک چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے دوسرے گروپ نے بھی دوسری طرف حملہ کیا اور وہاں چھ بھارتی ٹینک صحیح و سالم حالت میں قبضے میں آ گئے۔

ایک طرف میجر نذر حسین جی۔ٹی روڈ پر یہ کارنامے سرانجام دے رہے تھے۔ دوسری طرف ان کے گروپ کے کچھ اور شاہباز موضع لکھن اور جھگیاں میں دشمن پر قہر خداوندی بن کر جھپٹے اور دشمنوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ دشمن کی اسی پسپائی میں جنرل نرنجن پرشاد کو اس ذلت و رسوائی کا شکار ہو کر میدان سے بھاگنا پڑا جس کی کہانی اب زبان زد عام ہے۔ میجر نے دیکھا کہ اس کے دو جوان ایک جیپ لئے آ رہے ہیں اور جب انہوں نے اس کی تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ وہ ۲۵ ویں انفنٹری ڈویژن کے جی۔ او۔ سی میجر جنرل نرنجن پرشاد کی جیپ ہے جسے وہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔ میجر صاحب نے اس کی تلاشی لی تو اس میں اہم فوجی کاغذات کے علاوہ جنرل مذکور کی ڈائری، ایک مجلد نقشہ جنگ اور ایک چھڑی بھی تھی۔ جو کافی دنوں تک میجر نذر حسین بلوچ صاحب کی تحویل میں رہیں۔

اگلے دن انہیں واہگہ پل کی طرف بڑھنے کا حکم ملا۔ وہ اپنے سکوارڈن کو لے کر آگے بڑھے۔ دشمن کے چھ ٹینک مقابلے میں آئے۔ انہوں نے فوری کارروائی کر کے ان میں سے دو ٹینک تو تباہ کر دیئے اور باقی چار کو جنگی چال کے تحت لڑائی میں الجھائے رکھا۔ ان کے پاس کل تین ٹینک تھے لیکن دوسرے وار میں انہوں نے دشمن کے دو اور ٹینک ملیامیٹ کر دیئے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دشمن کے مزید ٹینکوں پر حملہ بولا اور اس دن کی پوری لڑائی میں اس کے بارہ ٹینکوں کو ٹھکانے لگا دیا۔

پاک فضائیہ کے مایۂ ناز شاہباز

بری افواج کے ان جیالے مجاہدوں کے بعد پاکستانی فضائیہ کے شاہبازوں کے تاریخی شاہکار ہماری نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔ دشمن کی فضائی قوت ہم سے بہت زیادہ تھی۔ ہمارے ملک کی جغرافیائی پوزیشن بھی دشمن کے ہوائی حملوں کے لئے کافی سازگار تھی۔ چنانچہ دشمن نے بار بار بے پناہ قوت سے ہمارے ہوائی اڈوں کا رُخ کیا۔ ہماری طرح کوئی دوسرا چھوٹا ملک ہوتا تو دشمن کے یہ بھرپور حملے اس کی فضائی قوت کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیتے۔ چند ہی دنوں میں اس کی فضائیہ کی کمر ٹوٹ جاتی اور وہ دشمن کے مقابل بے بسی کی تصویر بن کر رہ جاتا۔ لیکن پاکستان کی مختصر سی فضائیہ نے اپنے بے مثال نظم وضبط، چابکدستی اور مہارت، جرأت و بیباکی کے زور پر اس جنگ میں اپنی عظمت اور برتری کے جو زندہ جاوید نقوش تاریخ کے صفحات پر ثبت کئے ہیں ان کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ ہماری فضائیہ نے نہ صرف دشمن کے ہر ہوائی حملے کو بدترین شکست سے دوچار کیا بلکہ بھارت کے تمام بڑے بڑے ہوائی اڈوں پر بھی تباہی مچائی اور مزید برآں انہوں نے ہر محاذ پر پہنچکر بری فوجوں کی بھی بروقت مدد کی۔ دشمن کی صفوں اور مورچوں میں کھلبلی مچائی اور ہمارے مجاہدوں کے لئے بڑھنے کی راہیں ہموار کر دیں۔ جہاں بھارتی فضائیہ ایک بم بھی نشانے پر نہیں پھینک سکی وہاں پاک فضائیہ کے ان شاہبازوں نے بھارتی اڈوں کو اس شدت سے تباہ و برباد کیا اور ان کے جہازوں کو جگہ بجگہ اس طرح چڑیوں کی طرح زمین پر گرایا کہ بھارتی فضائیہ مفلوج ہو کر رہ گئی۔

گروپ کیپٹن ظفر مسعود

پاکستانی فضائیہ کے ان عقابوں میں گروپ کیپٹن ایم ظفر مسعود کا نام سرفہرست ہے۔ پاکستان کا سب سے اہم اور مشہور ہوائی اڈہ (سرگودھا) ان کی تحویل میں تھا۔ بھارتی فضائیہ اس اڈے کی اہمیت سے بے خبر نہ تھی اس لئے اس کے حملوں کا رُخ زیادہ تر اسی اڈے پر رہا۔ انہوں نے بمبار طیاروں کی زیادہ سے زیادہ طاقت لے کر بار بار اس اڈے پر یلغار کی۔ لیکن انہیں یہ حملے اس قدر مہنگے پڑے کہ یہ نقصان عظیم اس کے لئے مدتوں سوہانِ روح بنا رہے گا۔ یہ سب کچھ گروپ کیپٹن ظفر مسعود کی ماہرانہ قیادت میں سرانجام پایا اور یہی عظیم القدر خدمات تھیں جن کا اعتراف صدر مملکت کی طرف سے انہیں "ہلالِ جرأت" کا تمغہ دے کر کیا گیا۔ جنگ کے دوران فضائیہ کے اس ممتاز قائد نے ایک لمحہ آرام

نہیں کیا۔ ان کے اشاروں پہ پاک فضائیہ کے شاہباز آنکھ کی جھپک میں فضا کی بلندیوں پہ پہنچتے اور دشمن کے طیاروں پہ اس تندہی سے جھپٹتے اور اس تیزی سے ان کے پرنوچتے کہ فضا میں کہرام مچ جاتا اور ہر بار بھارتی فضائیہ بہت سے قیمتی طیاروں سے محروم ہو جاتی۔ پٹھانکوٹ، آدم پور، ہلواڑہ، انبالہ، جودھ پور اور کئی ایک دوسرے بھارتی اڈوں کی عبرت ناک تباہی اور بربادی آج بھی زبانِ حال سے اعتراف کر رہی ہے کہ ہماری فضائیہ کے اس قائد نے اپنے جانبازوں کو کس حسن انتظام سے فضاؤں میں لڑایا اور بھارت کی وسعتوں میں تھکے بچا دیئے۔

ظفر مسعود کا نام ساری دنیا میں گونج رہا تھا۔ لیکن ملت کا یہ جیالا فرزند شہرت پسندی کے ہر احساس سے بے نیاز اور بالاتر ہو کر دن رات مسلسل اپنے فضائی محاذ کو فاتحانہ شان سے سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کے شاہباز بھارت کے جنگ آزما بزدلوں کو ایک بار پھر وہ بھولا ہوا سبق سکھا رہے تھے جو کبھی غزنوی، غوری، بابر اور ابدالی نے انہیں سکھایا تھا۔ پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے حالیہ جنگ میں تاریخ کے صفحات پر جو معجزانہ کارنامے رقم کئے ہیں وہ دنیا کی ہر بہادر اور حقیقت پسند قوم سے ہمیشہ داد تحسین وصول کرتے رہیں گے۔ لیکن ان تاریخی کارناموں کی سرانجام دہی میں اس فضائی کمانڈر کی تنظیمی صلاحیتوں کو جو دخل حاصل ہے وہ بھی تاریخ کا ایک مستقل ورق ہے۔ غیر ملکی نامہ نگاروں نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر فضائی جنگ کے اس ہیرو سے انٹرویو لئے ہیں اور سب نے ہی بھر کر اسے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ دوران جنگ میں اس فرض شناس اور باشعور کمانڈر کی پوری حرکت ایک کرسی اور خندق تک محدود رہی۔ کئی دنوں تک مسلسل جاگتے رہنے سے اس کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی اور چہرے پر زردی دوڑ گئی۔ ظفر مسعود جانتے تھے کہ وہ ایک عظیم ذمہ داری کو پورا کر رہے ہیں جو دس کروڑ انسانوں کی طرف سے ان پہ عائد ہوئی تھی۔ اس لئے ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک فولادی عزم کے آثار نمایاں رہے اور انہیں اپنی جہد مسلسل کا یہ صلہ مل گیا کہ پاک فضائیہ کی فاتحانہ عظمت سے تاریخ کے اوراق جگمگا اٹھے۔ ظفر مسعود کے لئے اس سے بڑھ کر صلہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کا نام سامنے آتے ہی ہر پاکستانی کی گردن فرط احترام سے جھک جاتی ہے اور دل میں فخر و مسرت کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔

فضائیہ کے ہیرو محمد محمود عالم

پاکستان کے جس شاہباز نے ایک ہی جھپٹ میں دشمن کے پانچ جنگی طیاروں کو تہس نہس کر کے فضائیہ کی تاریخ میں ایک عالمی ریکارڈ قائم کیا اور مجموعی طور پہ نو طیاروں کو تباہ اور دو کو شدید نقصان پہنچا کر پوری دنیا

پر اپنی عظمت اور برتری کی دھاک بٹھا دی وہ سکوارڈن لیڈر ایم۔ ایم عالم کے نام سے آج کروڑوں انسانوں کی دلچسپی اور احترام کا مرکز ہیں۔ اکتیس[۳۱] سالہ ہوا باز عالم کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ وہ اسلامی تاریخ سے خاصا شغف رکھتے ہیں۔ اقبالؒ کے تصور کا یہ "شاہین" اقبالؒ کا شیدائی ہے اور اس کی عقابی روح شاید پیام اقبالؒ ہی کا صدقہ ہے۔ اور اسی کا پرتو ہے کہ وہ طلوع اسلام کی دعوت قرآنی کے بھی شیدائی ہیں اور باقاعدگی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ایک غیر ملکی نامہ نگار نے جب فضائیہ کے اس شہرہ آفاق زعیم سے یہ سوال کیا کہ "آپ شادی کب کرائیں گے؟" تو عالم کا بے ساختہ جواب یہ تھا کہ "میں نے اپنی محبوب مملکت سے شادی کرلی ہے اور اب اس محبت میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرونگا" یہ الفاظ عالم کے منہ سے نکلے اور غیر ملکی نامہ نگار ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے۔ انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ پاکستان کی انوکھی مملکت کے پاسبان عشق و مستی کے کس مقام بلند تک پہنچ گئے ہیں۔ محمود عالم کے سنہری کارناموں کا اعتراف "ستارۂ جرأت" کی صورت میں کیا گیا ہے لیکن عالم اپنے مشہرہ آفاق کارناموں پر کسی اظہار فخر کے لئے تیار نہیں اور نہ کوئی صلہ چاہتا ہے۔ اُسے ایک ہی دُھن ہے اور وہ ہے ـــــ فرض کی ادائیگی۔ عالم کو جب نامہ نگاروں نے یہ یاد دلایا کہ اس نے فضائیہ کی تاریخ میں ممتاز ترین مقام حاصل کیا ہے تو اس کا بڑے انکسار سے یہ جواب تھا کہ

میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔

اس جواب سے اس ذہنی پس منظر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو پاکستانی فضائیہ کے ان جیالوں کے کردار کی امتیازی خصوصیت ہے۔ جس کی مثال دنیا میں کہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکے گی۔ عالم فضائیہ کے ہیرو ہیں۔ پورے دنیا سے اپنی فاتحانہ فضائی یلغار کا لوہا منوا چکے ہیں۔ بھارت کے جنگ بازوں کے دلوں پر پاکستان کے اس شہرہ آفاق عقاب کے نام ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے ان تمام امتیازات کے باوجود وہ ایک فرض کی ادائیگی کے لئے زندہ ہیں اور اسی راہ میں جان کی بازی لگانے کے لئے ہر لحظہ بے تاب و سیماب۔ جس ملک کو ایسے گوہرہائے نایاب مل جائیں اُسے اور کیا چاہیئے جس قوم کو ایسے عظمت آفریں پاسبان میسر ہوں اس کی سالمیت کو کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟ پاکستان اپنے اس ہیرو پر جسقدر ناز کرے کم ہے۔

اقبالؒ کے شاہین

ایم۔ ایم۔ عالم فضائیہ کی اس فاتحانہ یلغار میں، جو حالیہ جنگ میں دنیا کے سامنے آئی، اکیلا و رتن تنہا نہیں۔ اس کے ساتھ اور پہلو بہ پہلو بہت سے اور شاہباز بھی اس آسمانِ حریت پر ستاروں کی طرح

جلوہ بار نظر آتے ہیں۔ حسین و جمیل رفیقی، پرکشش منیر، چاق و چوبند یونس شہید، باوقار یوسف، سربلند معظم شاہ شاہین صفت قیس۔ سب غیر فانی عظمت کی سلک تنظیم میں گہرہائے آبدار بن کر جگمگا رہے ہیں۔ ان سب نے سترہ دن بھارت کی فضاؤں میں تہلکہ مچائے رکھا۔ بھارتی جنگ بازوں کے کتنے ہی ہوائی اڈے اور فوجی ٹھکانے ان کے عقابی حملوں سے تاخت و تاراج ہوئے۔ کتنے ہی جنگی محاذوں پر انہوں نے دشمن کے توپخانوں، ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو قبرستانوں میں بدلا۔ کتنے ہی مقامات پر بھارتی بزدلوں کے ٹڈی دل ان کی تہلکہ انگیز جھپٹ کا شکار بنے۔ کتنے ہی جنگ کے میدانوں میں انہوں نے بموں اور گولوں کا مینہ برسا کر پاکستان کی بری فوجوں کے لئے راستے ہموار کئے۔

ان میں سے کیپٹن معظم دشمن کے توپخانوں کا سراغ لگانے پر مامور تھے۔ لاہور کے ایک پرو قار گھرانے کا یہ چشم و چراغ بار بار اس فرض کی ادائیگی کے لئے بھارت کی فضاؤں میں وقف پرواز ہوا۔ اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا جب تک اس کے فوجی ٹھکانوں میں قیامت برپا نہیں کی۔ اس کی نشاندہی پر پاکستان کا توپخانہ بار بار حرکت میں آیا اور دشمن کے توپخانوں اور فوجی ٹھکانوں کو تہ و بالا کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس راہ میں بڑے کٹھن مرحلے بھی آئے۔ بھارت کے کرگسوں نے کئی بار انہیں اپنے نرغے میں لینے کی کوشش کی۔ اس کی توپیں بارہا اسے اپنی زد میں پاکر آگ اگلتی رہیں لیکن یہ شاہباز ہر بار ان کوششوں کو ناکامی اور شکست سے ہمکنار کر کے واپس آیا۔ کیپٹن معظم کو اپنی جانبازی کے صلے میں "ستارہ جرأت" سے سرفراز کیا گیا۔

پاک بحریہ کی تاریخی فتوحات

پاکستان کی بری افواج کے شیر ان صف شکن اور فضائیہ کے شاہبازوں کی فاتحانہ یلغاروں کے ساتھ ساتھ اس کی بحریہ کی تاریخی یلغار کچھ کم موجب حیرت اور مستحق تحسین و تبریک نہیں۔ جب جنگ کا آغاز ہوا تو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ پاک بحریہ کی مختصر سی قوت بھارت کے بہت بڑے سمندری بیڑے کو یوں ناک چنے چبوائیگی۔ ۱۰ ستمبر کو جب خشکی اور فضاؤں میں دونوں ملکوں کا مقابلہ شروع ہوا تو سمندروں میں ایک سکوت سا طاری تھا۔ لیکن پاک بحریہ کے جیالوں نے جب یہ دیکھا کہ زمین پر اور ہوا میں پٹ جانے کے بعد دشمن پانی کے راستے پاکستان پر حملہ آور ہو سکتا ہے تو انہوں نے محفظ ماتقدم کے طور پر اس کے اس عزم کو پہلے ہی ناکام کر دینے کی ٹھانی۔ اور ۸۔۹ ستمبر کی شب کو وہ سمندر کی موجوں سے کھیلتے ہوئے پوری تندی و تیزی سے آگے بڑھے اور ۹ ستمبر کو صبح سویرے کراچی سے دو سو دو سو میل دور بھارت کا

بہت بڑا جنگی مرکز دوارکا ان کے تاریخی حملے کی زد میں تھا۔

پاک بحریہ کی بمباری نے دوارکا کے ساحل کے قریب پہنچ کر اپنی توپوں کے دہانے کھول دیئے۔ اور ان کی توپوں کے گولے قیامت بپا کرنے لگے۔ گولوں کی اس تباہ کن گھن گرج سے جب دوارکا کے شہریوں کی آنکھ کھلی تو ان کے سامنے ایک ہولناک منظر بپا تھا۔ اور بھارت کے لاہور پر بزدلانہ شبخون کی قیمت اس عزم مردانہ سے چکائی جا رہی تھی جسے تاریخ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ دوارکا کا عظیم الشان ہوائی اڈہ اور راڈر کا پورا نظام ایک ہولناک تباہی کی زد میں تھا۔ چاروں طرف آگ کے شعلے آسمانوں تک بلند ہو رہے تھے۔ اور چند ہی لمحوں میں بھارت اپنے بہترین راڈر نظام، ہوائی اڈے اور کروڑوں کے نقصان سے دوچار ہو چکا تھا۔ بھارت کا عظیم سمندری بیڑا میدان سے غائب تھا۔ اس کے ہوائی بیڑے کے پچاس جہاز پاکستان کے بیڑے پر حملہ آور ہوئے لیکن تین بمباروں کی تباہی ہول سے کر اس طرح فضا کی خاموشی میں گم ہوئے کہ پھر ان کی آواز تک کسی نے نہ سنی۔

بھارت پورے تیرہ دن ان زخموں کو چاٹتا اور آتش انتقام میں جلتا رہا۔ ۲۲ ستمبر کو آتش بندی کے سلسلے میں پندرہ گھنٹوں کی جو مہلت ملی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے بحری بیڑے نے جنگ بندی کے آخری لمحوں میں پاکستان کی ایک آبدوز کشتی (غازی) پر بھرپور حملہ کر دیا۔ کشتی اپنے بحری علاقہ کی گشت میں مصروف اور دشمن کے حملے سے بے خبر تھی لیکن جونہی حملہ ہوا اس کے مجاہد ادنیٰ سی گھبراہٹ محسوس کئے بغیر اس بیڑے کے مقابلہ کے لئے آگے بڑھے اور پہلے ہی وار میں دشمن کا بہترین تباہ کن جہاز (فریگیٹ) سمندر میں غرق کر دیا۔ یہ جہاز ایک کروڑ کی مالیت کا تھا اس کی تباہی کو دیکھ کر بھارتی بیڑا راہ فرار اختیار کر گیا اور "غازی" صحیح سلامت فتح کا پرچم لہراتی اپنے سمندر میں واپس پہنچ گئی۔

یہ پاک بحریہ کے ہیرو لفٹیننٹ احمد تسنیم تھے جنہوں نے تارپیڈو سے بھارت کے تباہ کن جہاز کو سمندر میں غرق کیا۔ اس کشتی کے کمانڈر جن کی سرکردگی میں بھارتی بحریہ کو یہ ضرب کاری لگائی گئی کے۔ آر۔ نیاز تھے۔ صدر مملکت نے ہر دو مجاہدوں کو "ستارہ جرأت" سے سرفراز کیا۔ مسٹر جے۔ نبی کو ستارہ جرأت اور ان کے باقی سات رفقاء کو اعزازی سندیں عطا کی گئیں۔ دوارکا کے کامیاب اور فاتحانہ حملے کے بعد پاکستان کی یہ دوسری فتح مبین تھی جس میں بھارت کے نقصان کا اندازہ ساڑھے چھ کروڑ تک پہنچتا ہے۔ یہی ہیں پاکستان کے وہ فتح مند غازی جنہیں آج پوری ملت پاکستان ہدیۂ سلام اور خراج تحسین پیش کرتی ہے۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰؑ طلسمِ سامری

(۲۶ اکتوبر، یوم انقلاب، کی تقریب پر وائی - ایم - سی - اے - ہال کے پبلک جلسہ میں پرویز صاحب کی برجستہ تقریر جسے بعد میں مرتب کیا گیا)

صدرِ محترم - میری عزیز بہنوں اور بھائیو!

یوم انقلاب کی جس تقریب کو منانے کے لئے آج ہم یہاں جمع ہوئے ہیں اس میں میرے خطاب کا عنوان ہے -

توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰؑ طلسمِ سامری

اس موضوع کو پوری طرح سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیشِ نظر رکھیے کہ قرآن کریم نے قوموں کے عروج و زوال اور حیات و ممات کے متعلق جو ابدی قوانین دیئے ہیں ان کی رُو سے بعض قوموں پر زوال اس انداز سے آتا ہے کہ وہ قومیں صفحۂ ہستی سے ہی مٹ جاتی ہیں اور ان کی بازآفرینی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ یاد رکھئے کہ کسی قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹ جانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس قوم کا کوئی فرد زندہ باقی نہیں رہتا۔ افراد تو زندہ رہتے ہیں لیکن قوم کا جداگانہ تشخص مٹ جاتا ہے۔ اس کا الگ وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اور دنیا کی زندہ قوموں میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ ایسی قوموں کے متعلق قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ ان پر نشاۃ ثانیہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور حیاتِ نو ان پر حرام ہو جاتی ہے۔

لیکن قوموں کی ایک دوسری قسم وہ ہے کہ ان پر زوال تو ضرور آتا ہے لیکن اس راکھ کے اندر زندگی کی چنگاریاں دبی دبی سی باقی رہتی ہیں۔ حالات کی مساعدت سے وہ پھر چمک اٹھتی ہیں۔ اپنی خاکستر میں سے باہر اُبھر آتی ہیں اور شعلۂ جوالہ کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور اس طرح انہیں پھر سے حیات نو مل جاتی ہے۔ انہی اقوام کے ضمن میں قرآن کریم نے داستانِ بنی اسرائیل کو بڑا نمایاں اور اجاگر کر کے پیش کیا ہے۔ یہ قوم فرعون کی غلامی اور استبداد کے پنجے میں جکڑی ہوئی تھی۔ اور قرآن اس کی یہ کیفیت بیان کرتے ہوئے

یہ بتاتا ہے کہ

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۔ (۲۸/۵)۔

یعنی ہم نے اس قوم کے متعلق، جسے کچل کچل کر ضعیف و ناتواں بنا دیا گیا تھا، یہ فیصلہ کیا کہ اس قوم کو دوبارہ وہ حیاتِ نو نصیب ہو کہ یہ فرعون کی مملکت کی وارث بن جائے۔ اور پھر قرآن نے بتایا کہ یہ فیصلہ اس قوم کے حق میں کس طرح پورا ہوا۔

ہماری داستانِ زوال | غور کیجئے تو یہ حقیقت سامنے آئیگی کہ اس برصغیر کے مسلمانوں کی داستانِ مرگ و حیات بھی قوم بنی اسرائیل کی اس داستان سے ملتی جلتی داستان ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شکست کے جو نتائج سامنے آئے انکے باعث یہاں مسلمانوں کا قومی تشخص ہی خطرے میں پڑ گیا۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اُسی زمانے میں اپنی مشہور کتاب (THE INDIAN MUSALMANS) میں مسلمانانِ ہند کے بارے میں لکھا تھا کہ اس قوم کا مستقبل اب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ لکڑہاروں، سقوں اور خدمتگاروں کی قوم ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز اور ہندو دونوں صدیوں سے مسلمانوں کے ہاتھوں وہ چرکے کھائے ہوئے تھے جو آج تک مندمل نہیں ہوئے، اور وہ ہمیشہ اس تاک میں رہے ہیں کہ مسلمانوں سے اس کا انتقام لیں۔ انگریز صلیبی جنگوں کی شکست کے گہرے زخم سینے میں لئے ہوئے اور ہندو آٹھ سو برس کی غلامی کے باعث جوشِ انتقام میں دیوانہ، سوچئے کہ اس قسم کے دو دشمن اور ان کے سینوں میں صدیوں کی سلگتی ہوئی آتشِ انتقام اور دوسری طرف وہ بیچارہ مسلمان جس کی سلطنت گئی۔ حکومت چھنی۔ دولت لٹی۔ قومی تشخص ختم ہوا۔ جاہ و جلال رخصت ہوا۔ اس کی حالت اس پرکاہ کی سی تھی جسے ہوا کے جھونکے جدھر چاہے اڑائے اڑائے لئے پھرتے رہے تھے۔ اس کی فضائے حیات میں زندگی کی کوئی خوشگوار امید اور مستقبل کی کوئی خوش آئند جھلک دکھائی نہیں دیتی تھی۔

طلوعِ شمسِ | مایوسی اور شکست کے اس اندھیرے میں انگریزی حکومت کے دفتروں کا ایک پرزہ حرکت میں آیا اور اس قوم میں صبحِ امید کا ستارہ بن کر چمکا۔ یہ تھا سرسیدؒ، جس نے ۱۸۶۷ء میں، ایک صدی قبل بنارس کے کمشنر مسٹر شکسپیئر سے کہا تھا کہ

مجھے یقین ہو گیا ہے کہ یہ دونوں قومیں (ہندو اور مسلمان) اب کسی کام میں بھی دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔ جوں جوں وقت گذرتا جائے گا یہ مخالفت اور عناد ان ہندوؤں کے سبب ابھریگا جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں، جو زندہ رہے گا وہ دیکھ لے گا۔

ایک صدی پیشتر اس مردِ مومن کی دور بین نگاہوں نے جو کچھ بھانپ لیا تھا وہ لوحِ زمانہ پر ایک حقیقت بن کر سب کے سامنے آگیا اور زمانے نے دیکھ لیا کہ یہ مردِ حق بین جو کچھ کہہ گیا تھا وہ کس طرح حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا۔ خدا ہماری ملت کے اس محسنؒ اعظم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ میں اپنے عقیدت اور احترام سے بھرپور جذبات اس مردِ حق آگاہ کی بارگاہ کی نذر کرتا ہوں۔

قوم کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری شعلۂ جوالہ بن کر ابھری اور ایک غلام اور شکست خوردہ قوم میں زندگی کے شعلے بھڑکا گئی۔ یہ داستان بعینہٖ داستانِ بنی اسرائیل سے مشابہت رکھتی ہے۔ صاحب ضربِ کلیمؑ اس غلام قوم میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن مشیت کو معلوم تھا کہ جب تک وہ فرعون کے شاہی محلات کے رازِ درونِ خانہ سے بہرہ ور نہ ہوں، حکومت کی مستبد قوتوں سے جنگ آزما نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ یہ بچہ پرورش کے لئے فرعون کے شاہی محلات میں پہنچ گیا۔ سرسیدؒ بھی انگریز کے دفتری نظام سے اُبھر کر اپنی قوم کی غلامی کی زنجیریں توڑنے آئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے داستانِ بنی اسرائیل سے یہ حقیقت بھانپ لی کہ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ مغرب کی استعماریت کیونکر دوسری قوموں کو اپنی غلامی کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہے، اس وقت تک اس شکنجے سے نکلنا ممکن نہیں۔ چنانچہ انہوں نے انگریزی تعلیم کیلئے علی گڑھ کی درسگاہ کی بنا رکھی۔ اور برادرانِ عزیز! آنے والے دور نے یہ ثابت کر دیا کہ اسی درسگاہ سے شمعِ ملت کے وہ پروانے سامنے آئے جنہوں نے قوم کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔

سرسیدؒ تاریخ کا یہ عظیم معرکہ سرانجام دے رہا تھا اور ہمارے مذہبی پیشوا اس کے پیچھے کفر کے فتوے لئے لئے پھر رہے تھے، اور جب یہاں کے فتوے غیر مؤثر ثابت ہوئے۔ تو پھر مکہ و مدینہ سے فتوے منگائے گئے، اس قدر جری، دلیر، جرأت و بسالت کا پہاڑ اور عزم و استقلال کا یہ روشن مینار تھا۔ کہ مخالفت کی سرکش موجیں گو شب و روز اس کے خلاف یورش کرتی تھیں اور اپنا سر ٹکرا ٹکرا کر خاسر و ناکام لوٹ جاتی تھیں، یہ مردِ قلندر آخری سانس تک میدان میں ڈٹا رہا اور کسی طاقت سے خم کھانے پر تیار نہ ہوا اور رخصت ہونے سے قبل وہ شمع روشن کر گیا جس نے قلوب و اذہان میں علم و بصیرت کی روشنی پھیلا دی۔

سرسیدؒ کا جانشین اسرسیدؒ کے بعد سیالکوٹ کا ایک نوجوان اس روشنی کو آگے بڑھانے کے لئے اٹھا۔ یہ نوجوان ابتدائی زندگی میں یہ گیت گایا کرتا تھا کہ

ہندی ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

اور پھر اس کی زبان پر یہ نغمہ بھی سنائی دیا کہ

خاکِ وطن کا مجھکو ہر ذرہ دیوتا ہے

لیکن یہ طالب علم، جو بعد میں علامہ اقبال کے نام سے آفتاب بن کر چمکا، جب "فرعون کے گھرانے" کے اندر پہنچا تو وہاں اس نے رازِ درونِ خانہ کو پوری طرح بھانپ لیا۔ اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس طالب علم نے انگلستان سے، سنہ ۱۹۰۷ء میں، نشیدِ جانفزا کو بلند کیا کہ اشتراکِ وطن کی بنا پر ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کو، ہندو قوم کا جزو نہ سمجھ لیا جائے۔ مغربی تصورِ قومیت، اسلام کے تصورِ قومیت سے بالکل مختلف ہے یاد رکھو۔

نرالا سارے جہاں سے اس کو عرب کے معمار نے بنایا
بنا ہمارے حصارِ ملّت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

برادرانِ عزیز! یہ آواز سنہ ۱۹۰۷ء میں سنائی دی۔ وقت کے لحاظ سے بالکل نئی آواز۔ لیکن جس کی نگاہیں قرآن کریم کے حقائق پر مرکوز ہوں اس کے لئے تو نئی اور پرانی کا سوال ہی نہیں۔ وہ تو ابدی حقائق کے اس سرچشمے سے وہ کچھ حاصل کرتا ہے جو ماضی، حال اور مستقبل سب کو محیط ہوتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی انتہائی مایوسی اور پستی کا شکار تھی۔ لیکن امیدوں کے اس شہزادے نے دیارِ انگلستان میں بیٹھے ہوئے یہ اعلان کیا کہ میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے میں نے یہ قدسیوں سے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا۔

اور جب اس سے پوچھا گیا کہ یہ ہوگا کیسے ؟ تو اس نے دل کے پورے اعتماد سے جواب میں کہا کہ

سفینۂ برگِ گل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ طوفان سے پار ہوگا

قائدِ اعظمؒ نئی امید کے یہ گیت گاتا ہوا وہ فقیرِ بےنوا وہاں سے یہاں پہنچ گیا اور ساری عمر امیدوں کے یہ چراغ روشن کرتا چلا گیا۔ آخر سنہ ۱۹۳۰ء میں اس نے الہ آباد کے مقام پر اپنے تاریخی خطبۂ صدارت میں اس نے ہماری قومی منزل کی نشاندہی کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے انہیں الگ کرکے ایک جداگانہ مملکت کا قیام عمل میں لایا جائے "تاکہ یہ قوم خدا کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے۔" دنیا نے اسے شاعر کا خواب سمجھا۔ اور دنیا کیا خود مسلمان بھی یہی سمجھتے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے۔ لیکن حقائقِ قرآنی کا یہ پیامبر اس سے نہ گھبرایا اور نہ افسردہ خاطر ہوا۔ بلکہ اپنی یہ آواز برابر دہراتا رہا۔ تا آنکہ اس کی زندگی کے دن ختم ہونے کو آگئے تو وہ قوم کی قیادت کے لئے جناح کو میدان میں لے آیا۔ کون جناح ؟ سر سے پاؤں تک بظاہر فرنگی تہذیب میں لپٹا ہوا۔ اس دور کا بہت بڑا نیشنلسٹ

جس کی خدمات کے اعزاز میں کانگرس نے بمبئی میں جناح میموریل ہال تعمیر کیا تھا۔ لیکن اندازہ لگایئے اس مرد درویش کی نگہ دُور رس کا جو اپنے حسن انتخاب سے اس قسم کے بظاہر مغرب زدہ قومیت پرست بیرسٹر کو اپنے پیش کردہ نظریہ کی عملی توثیق کے لئے میدان میں لے آئی۔ اس نے اقبالؒ کے نعرے کو بلند کیا اور اس مرد درویش کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جو بات ۱۹۳۰ء میں شاعر کا خواب سمجھی گئی میں اُسے ایک زندہ حقیقت بنا کر دکھاؤں گا۔ ایک دنیا اس کی مخالفت کر رہی تھی۔ لیکن جب اس سے پوچھا گیا کہ جس پاکستان کا تصور تم پیش کر رہے ہو وہ ہے کیا؟ تو اس نے پکار کر کہا کہ

> پاکستان کے تصور کو جو اب مسلمانوں کے لئے ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتا ہے، مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ ان کی حفاظت، نجات اور تقدیر کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اس سے یہ آواز اقصائے عالم میں گونجے گی کہ دنیا میں ایک ایسی مسلم مملکت بھی ہے جو اسلام کی عظمت گذشتہ کو از سر نو زندہ کرے گی۔
>
> (تقریر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس۔ مارچ ۱۹۴۴ء)

جب ان سے یہ سوال کیا گیا کہ اسلامی مملکت کی امتیازی خصوصیت کیا ہے اور وہ دنیا کی آزاد مملکتوں سے کس نہج سے متمیز اور مختص ہو گی تو انہوں نے ۱۹۴۱ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ اس قابل ہے کہ اسکے الفاظ ہمارے ہر ایوانِ حکومت کے در و دیوار پر نقش ہونے چاہئیں۔ انہوں نے فرمایا تھا۔

> اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت، دوسرے الفاظ میں، قرآنی اصول و احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لئے آپ کو لامحالہ ایک علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

ایک ایک لفظ پر غور فرمایئے اور اندازہ لگایئے کہ یہ کس قلب سلیم کی صحیح صحیح ترجمانی کر رہے ہیں۔ لیکن جب جناح یہ نعرہ بلند کر رہا تھا۔ ہمارا مذہب پرست طبقہ اس کے خلاف اپنا متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے تھا تاکہ دنیا کے نقشے میں اس اسلامی مملکت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہونے نہ پائے۔ تاریخ پاکستان کے صفحات ان کی اس مخالفت سے داغدار ہیں۔

قیام پاکستان لیکن مخالفتوں کے اس طوفان کی پرواہ کئے بغیر یہ مرد مجاہد مردانہ وار آگے بڑھتا چلا گیا۔ تاآنکہ ۱۹۴۷ء میں شاعر کے خواب نے ایک جیتی جاگتی حقیقت کا رنگ اختیار کر لیا اور پاکستان وجود میں آگیا۔ قرآن نے ایسے ہی موقع کے لئے کہا تھا کہ

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ ..... تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

تم اس وقت کو یاد کرو جب تم تعداد کے اعتبار سے بہت قلیل اور قوت کے اعتبار سے ایسے کمزور تھے کہ تمہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ لوگ کہیں تمہیں اچک کر نہ لے جائیں۔ ایسے نامساعد حالات میں ہم نے تمہیں حفاظت کی جگہ عطا کی۔ اپنی نصرت سے تمہیں نوازا۔ اور نہایت خوشگوار سامانِ زیست سے تمہیں بہرہ یاب کیا۔ تاکہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کریں۔

برادرانِ عزیز! پاکستان وجود میں آگیا لیکن وہ جو اقبالؒ نے کہا تھا کہ

مقامِ ہوش سے آساں گذر گیا اقبالؒ
مقامِ شوق میں کھو یا گیا وہ فرزانہ

جس طرح سینا کی وادیوں میں پہنچکر قوم بنی اسرائیل قدم قدم پہ موسیٰ علیہ اسلام کے لئے وبالِ جان بنتی رہی، اسی طرح قیام پاکستان کے بعد ہمارے نظم و نسق میں اسقدر خرابیاں رونما ہوگئیں کہ دشمن اسے جھپٹ لینے کی تیاری میں لگ گیا۔ شاید یہ اسلئے ہوا کہ مفت کی دولت کی قدر نہیں ہوتی۔ شاید اس لئے کہ نو دولتیوں کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس داستانِ دلگذار کی کیفیات کو اس موقع پہ آپ کے سامنے دہراؤں۔

عسکری انقلاب برادرانِ عزیز! حالات اس قدر بگڑ گئے تھے کہ طلوع اسلام نے ہار تھک کر ۱۹۵۷ء میں یہ تجویز پیش کی کہ ان خرابیوں کا حل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ملک کا نظم و نسق فوج کے سپرد کر دیا جائے اور ملک کے عام انتخابات اس کی نگرانی میں سرانجام پائیں۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں طلوع اسلام نے یہ حل پیش کیا اور ٹھیک ایک سال بعد اکتوبر ۱۹۵۸ء میں یہ تجویز عسکری انقلاب کے محسوس و مشہود پیکر میں ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آگئی۔ یہ تھا وہ عظیم انقلاب جس نے ہماری گاڑی کو ایک نئی پٹڑی پہ ڈال دیا اور یہ گاڑی جانبِ منزل رواں دواں بڑھنے لگی۔

عزیزانِ من! یہ ہے وہ انقلاب جس کی ہم آج یاد منا رہے ہیں۔ بظاہر دیکھئے کہ انقلاب اور وہ

بھی فوج کے ہاتھوں سے ہے۔ یہ خیال ہی وحشت اور ہولناکیوں کا ایک منظر سامنے لے آتا ہے۔ دنیا کا کونسا وہ ملک ہے جہاں ایسا انقلاب آیا ہو اور خون کی ندیاں نہ بہی ہوں۔ لیکن ذات باری تعالیٰ کا یہ کس قدر احسان عظیم ہے کہ صدر محمد ایوب خاں کے ہاتھوں یہ انقلاب یہاں آیا اور کسی کی نکسیر تک نہیں پھوٹی۔ یہ سب کچھ دیکھ کر مجھے تو یہ یقین ہوگیا ہے کہ اس قوم نے دنیا میں بہت بڑا کام کرنا ہے۔ اس نے مشیت کے کسی عظیم پروگرام کو پورا کرنا ہے۔

عسکری انقلاب آیا اور ہر شخص یہ سننے کے لئے بے تاب تھا کہ جس قائد انقلاب کے ہاتھوں یہ انقلاب بروئے کار آیا اس کے اپنے ذہن میں اس کے مستقبل کا نقشہ کیا ہے؟ اس بارے میں اس کے خیالات اور تصورات کیا ہیں۔ عوام کو زیادہ دیر اس کا انتظار کرنا نہیں پڑا۔ ۱۲۔ دسمبر ۱۹۵۸ء کو جب صدر مملکت کی حیثیت سے انہیں گلستان فاطمہ کی استقبالیہ تقریب میں لاہور کے شہریوں کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ

> اکتوبر کے انقلاب کا فلسفہ وہی تھا جو پاکستان کی تخلیق کا باعث بنا۔ برسوں کی بدنظمی اور بددیانتی نے اس فلسفہ کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا اور اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو داغدار اور زنگ آلود بنا رکھا تھا جو تشکیل پاکستان پر منتج ہوئی تھی۔ اب حکومت کے سامنے سب سے اہم کام یہ ہے کہ مقاصد و مطامح کو اس دلدل سے نکال کر اس طرح صیقل کر دیا جائے کہ انہیں اپنی کھوئی ہوئی آب و تاب اور گم گشتہ عظمت و عزت پھر نصیب ہوجائے۔ (پاکستان ٹائمز ۔ ۱۳ دسمبر ۵۸ء)

۲۶۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء کی شب کو یوم انقلاب کی تقریب پر قوم کے نام اپنے نشری خطاب میں انہوں نے فرمایا کہ ۔

> جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے، ہمارے آئین کی اصل و اساس اسلام کی روح ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے لئے ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا اور اسی خاطر اسے حاصل کیا۔ ہماری فلاح و بقا کا راز اسی اسلامی روح کے ساتھ دیانتداری سے متمسک رہنے میں ہے ہمارے مملکتی نظم و نسق بلکہ ہماری پوری زندگی میں اسلام ہی ہمارا اہم پیش نہاد ہے۔ اور میری کوشش یہ ہے کہ میں کم از کم ایک ایسی مشینری کی بنیاد رکھ دوں جو ہمارے ایمان کی روح کو کشید کر کے اسے ہماری عملی زندگی میں پھونک دے۔ جس سے ہمیں روشنی، ہدایت اور فلاح و سعادت نصیب ہو۔ (پاکستان ٹائمز ۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء)

برادرانِ عزیز! آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟ افواجِ پاکستان کا کمانڈر انچیف۔ ایک سپاہی سے اور ان بلند خیالات کا حامل۔ انقلاب آیا تو ایسا پُرامن انقلاب اور جو انقلاب لایا اُسکے یہ خیالات اور عزائم۔ دیکھا آپ نے کہ کس طرح سرسیدؒ کے زمانے سے اس سلسلۂ دلنواز کی کڑی سے کڑی ملتی چلی آرہی ہے؟

یہ انقلاب آیا اور گاڑی پھر اپنی اصل پٹڑی پر چل پڑی۔ قوم پھر سرگرمِ سفر ہوگئی اور مختلف گوشوں میں زندگی اور تعمیری جد وجہد کے آثار دکھائی دینے لگے۔ ہمارا دشمن یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اسے دیکھ دیکھ کر انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ یہ دشمن بھی اپنی قسم کا عجیب واقع ہوا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قوموں میں باہمی اختلاف اور جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن شریف انسانوں اور قوموں کا دستور یہ ہے کہ جب باہمی اتفاق سے ان معاملات کا تصفیہ ہو جائے تو آپس کی دشمنی کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ لیکن دنیا کو معلوم نہیں کہ ہمیں کس قوم سے واسطہ پڑا ہے۔

اس برصغیر کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہمارے اور اس قوم کے متفقہ فیصلے سے ہوا۔ دونوں قوموں کے نمائندوں کی رضامندی (AGREEMENT) اور دستخطوں سے ہوا۔ باہمی قول و قرار سے ہوا۔ لیکن یہ سب کچھ ہونے کے باوجود اس قوم نے پاکستان کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ ہم یہ کچھ الزام بازی اور پروپیگنڈے کے طور پر نہیں کہہ رہے بلکہ برسوں ہی اخبارات میں مسٹر مہر چند مہاجن کا جو بیان شائع ہوا ہے اس نے اس حقیقت کی ناقابلِ انکار شہادت بہم پہنچا دی ہے۔ یہ صاحب کسی زمانہ میں بھارت کے چیف جسٹس رہ چکے ہیں۔ انہوں نے ایک عینی شاہد کی حیثیت سے اپنے بیان میں دنیا کو یہ بتایا ہے کہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ان کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ جس میں بھارتی فوجوں کا کمانڈر انچیف بھی موجود تھا۔ وزیرِ اعظم بھی موجود تھا اور یہ چیف جسٹس (مہر چند مہاجن) بھی موجود تھا۔ اور کانفرنس میں اس تجویز پر غور کیا گیا تھا کہ پاکستان پر حملہ کر دیا جائے۔ سوچئے کہ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے یہ فیصلے ہوئے اور اس کے فوراً بعد بھارتی لیڈر پاکستان کو ختم کرنے کے لئے کن سازشوں میں لگ گئے تھے۔

ان فیصلوں کے فوراً بعد بھارت میں مسلمانوں کے قتل و غارت کا جو سلسلہ شروع کر دیا گیا، وہ تاریخِ انسانیت کا شرمناک باب ہے۔ ہم اس زمانے میں سسک سسک کر جی رہے تھے۔ ہمیں اپنی مشکلات میں سانس لینے تک کی فرصت نہیں تھی۔ چاروں طرف سے مصائب و آلام کے ہجوم نے ہمیں گھیر رکھا تھا۔ ہم پر یہ کچھ گذر رہی تھی اور بھارتی لیڈر آپس میں بیٹھ کر یہ مشورے کر رہے تھے کہ پاکستان کی ان مشکلات سے فائدہ اٹھا کر اس پر حملہ کر دیا جائے۔ اور اب مسٹر مہاجن کفِ افسوس مل رہے ہیں کہ انہوں نے اٹھارہ سال

انتظار میں کیوں گذار دیئے۔ لیکن یہ انتظار وہ لوگ یونہیں نہیں کر رہے تھے۔ اسکی ایک وجہ تھی۔

ارتھ شاستر ہر قوم کا اپنا ایک فلسفۂ زندگی ہوتا ہے۔ وہ ایک بنیادی تصورِ حیات کو اپنائے ہوتی ہے۔ اس قوم کی تہذیب کی پوری عمارت اسی پر اٹھتی ہے۔ اور اس کی زندگی کے تمام فیصلے اسی کے تقاضوں کے تحت طے پاتے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے ہندو قوم کو جانچیئے۔ گذشتہ کئی صدیوں میں اس قوم کو ایک ہی فلاسفر میسر آسکا۔ اس کا نام تھا چانکیہ۔ اُسے "کوٹلیہ" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کوٹلیہ سنسکرت میں "مکار" کو کہتے ہیں۔ اور یہ قابلِ قدر خطاب اس کے نام کے ساتھ آج تک چلا آرہا ہے۔ اس شخص کی ایک تصنیف ہے ارتھ شاستر صدیوں سے یہ ارتھ شاستر اس قوم کے پاس موجود رہا لیکن اسے حکومت نصیب نہ ہوئی۔ انگریز جو انہیں حکومت ملی تو انہوں نے اس ارتھ شاستر کو نکالا اور جھاڑ پونچھ کر اس کی ورق گردانی شروع کی۔

سنیئے برادرانِ عزیز کہ انہیں اس کتاب سے حکومت اور سیاست کے کیا کیا اصول ملے۔

(ارتھ شاستر کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اس میں ان اصولوں کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

پہلا اصول - حصولِ اقتدار اور ملک گیری کی ہوس کبھی ٹھنڈی نہ ہونے پائے۔

دوسرا اصول - ہمسایہ سلطنتوں سے وہی سلوک روا رکھا جائے جو دشمنوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ تمام ہمسایوں پر اپنی نگرانی قائم رکھی جائے۔

تیسرا اصول - غیر ہمسایہ حکومتوں سے دوستانہ تعلقات استوار رکھے جائیں۔

چوتھا اصول - جن سے دوستی رکھی جائے ان سے دوستی میں ہمیشہ اپنی غرض پیشِ نظر رہے۔ اور مکارانہ سیاست کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ (یہ دوستوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جو کچھ دشمنوں کے ساتھ ہوگا اس کا اندازہ خود لگا لیجئے)

پانچواں اصول - دل میں رقابت کی آگ ہر وقت گرم رکھی جائے۔ ہر بہانے سے جنگ جاری رکھی جائے۔ اور اس جنگ میں انتہائی تشدد سے کام لیا جائے۔ حتیٰ کہ خود اپنے شہریوں کے مصائب و آلام کی بھی کوئی پرواہ نہ کی جائے۔

آٹھواں اصول - یہ ہے کہ مخالفانہ پروپیگنڈہ، تخریبی کارروائیاں، ذہنی انتشار پیدا کرنے کی مہم، دوسرے ملکوں میں اپنے آدمی ناجائز طریق سے داخل کر کے فتنہ عالم کی طرح یہ سب کچھ مسلسل کیا جائے۔

نواں اصول - ان کے ہاں یہ ہے کہ رشوت اور دوسرے ذرائع سے اقتصادی جنگ جاری رکھی جائے۔

دوسرے ملک کے آدمیوں کو خریدنے کی کوشش کی جائے۔

اور آخر میں لکھا ہے کہ

یاد رکھئے کہ امن کے قیام کا خیال کبھی دل میں نہ لایا جائے خواہ ساری دنیا تمہیں اس پر مجبور کیوں نہ کرے۔

یہ ہے ارتھ شاستر مان کے ہاں کا مقدس صحیفہ۔ جو انکا ایک فلاسفر انہیں دے گیا اور جاتے ہوئے یہ کہہ گیا کہ انسانیت کی بدقسمتی سے اگر تمہیں کبھی حکومت مل جائے تو ان اصولوں کو یاد رکھنا اور کام میں لانا۔

ان اصولوں کی وارث قوم سے ہمارا اٹھارہ سال سے سابقہ پڑا ہوا ہے۔ سوچئے کہ وہ ہمارے خلاف کیا کچھ حربے استعمال میں نہیں لا رہے۔ یہ قوم۔ ان کا اتنا بڑا ملک۔ اس کے اس قدر وسائل دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں اس کی پشت پر، اور پھر اس کے یہ "اصول" جنہیں "اصول" کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ قوم ہمارے خلاف برابر تیاریوں میں لگی رہی اور جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ پاکستان پکے ہوئے پھل کی طرح ان کی جھولی میں آگرے گا۔ بس ٹہنی کو ذرا جھنجھوڑنے کی ضرورت ہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے ۶۔ ستمبر کو، بغیر اعلان کئے، کوٹلیہ کے ارتھ شاستر پر عمل کرتے ہوئے، اس انداز سے پاکستان پر حملہ کیا کہ انسانیت کی نگاہیں زمین میں گڑ گئیں۔

حالیہ جنگ جنگ کے ستر دنوں میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیلات سب کے سامنے آچکی ہیں۔ اب اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام
عشق کی مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات عشق سے نارِ حیات

اس جنگ میں جو فتح و نصرت ہمارے حصے میں آئی وہ سب عشق ہی کا تصدق تھا۔ عشق نام ہے کسی بلند و بالا مقصد کے لئے جان فروشانہ جدوجہد کا، خود فراموشانہ سعی و عمل کا۔ اسلام کی اصطلاح میں اسی کو ایمان کہا جاتا ہے۔ بلند مقصد اور اس کے لئے سرفروشانہ جدوجہد۔ جب یہ حقیقت سینوں میں گھر کرے تو سنئے کہ قرآن ان افراد کے بارے میں کیا کہتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ (۳/۱۷۳)

یہ وہ ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ دشمن نے تمہارے خلاف ایک لشکر جرار جمع کر رکھا ہے

(اور وہ اس طرح تم پر حملہ کرنے کو ہے) تو اس سے بجائے اس کے کہ ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہوتا۔ ان کا ایمان اور بڑھ گیا۔ اور انہوں نے کہا کہ۔ خدا دارم چہ غم دارم۔

ایران و روما پر غلبہ

یہ خدا کس طرح ساتھ ہوتا ہے، اور کن کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ہیں ذرا آگے چل کر بتاؤں گا۔ لیکن یہ آکر کیا کرتا ہے، اسے سمجھنے کے لئے تاریخ کا ایک واقعہ سنیئے!

مسلمان جب عرب سے اُٹھے تو اُس وقت دنیا میں دو ہی بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک سلطنت روما (ROMAN EMPIRE) اور دوسری سلطنت ایران (PERSIAN EMPIRE) اور اس کے مقابلے میں عربوں کا ملک اور ان کی نوزائیدہ چھوٹی سی حکومت۔ ایرانیوں کی نخوت کا عالم یہ تھا کہ عربوں سے دوستی کا تصور تو ایک طرف وہ ان سے لڑنا تک اپنی توہین سمجھتے تھے۔ لیکن جب یہی ایمان عربوں کے اندر ابھرا تو انہوں نے چند ہی دنوں میں ایران کو اس طرح زیرنگیں کر لیا کہ شہنشاہ ایران کو کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ مل سکی۔ اور ایک پن چکی میں اس کی موت واقع ہوئی۔ اس کے ایک صوبے کا گورنر ہرمزان قید ہو کر مدینہ آیا تو اس سے امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا "بھئی یہ تو بتاؤ کہ تم عربوں سے لڑنے کو ذلت خیال کیا کرتے تھے۔ یہ اب کیا ہوا۔ وہی ہم ہیں۔ وہی تمہاری قلت تعداد اور بے سروسامانی۔ وہی تم ہو۔ وہی تمہاری عظیم سلطنت اور اس قدر سامان جنگ۔ پھر یہ کیا ہوا کہ اس چھوٹی سی جماعت نے تمہیں شکست فاش دی۔ اس کا راز ہماری سمجھ میں تو نہیں آتا۔ تم ہی کچھ بتاؤ"۔

ہرمزان نے کہا کہ پہلے یہ میری سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا لیکن اب آگیا ہے۔ اس سے پہلے جنگ کا معاملہ ہوتا تھا تو وہ عربوں اور ایرانیوں کے درمیان ہوتا تھا۔ لیکن اب جو معاملہ ہوا تو ایران تنہا ہے۔ اور عربوں کے ساتھ ان کا خدا شامل ہے۔ یہ تیرہ صدیاں قبل ہرمزان کا جواب تھا۔

خدا کی طاقت

ہمارے ہاں اب جو انقلاب آیا تو اس کی صدائے بازگشت ایک سپاہی کی زبان سے سنائی دی۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ تمہارے پاس پانچ ٹینک تھے اور دشمن کے پاس پچاس ٹینک۔ یہ پانچ ٹینکوں نے پچاس پر کیونکر فتح پائی تو اس کے جواب میں برادران عزیز! اس سپاہی کے سادہ سے الفاظ سنیئے۔ اس نے کہا کہ ——

پانچ ہمارے پاس تھے۔ وہ دشمن کے پانچ ٹینکوں کے تو برابر ہو گئے نا! باقی رہے دشمن کے پینتالیس۔ تو کیا ہمارا خدا' پینتالیس ٹینکوں کے برابر بھی طاقت نہیں رکھتا؟

برادران عزیز! اسے کہتے ہیں عشق۔ ہم نے اس عشق کی داستانیں لاہور اور کھیم کرن کے میدانوں، چھمب اور جوڑیاں کی وادیوں، فاضلکا اور راجستھان کے ریگزاروں میں خون کے حروف سے لکھی دیکھی ہیں۔ ہم نے

اس کے نعرۂ مستانہ کی صدائے بازگشت کوہ شکن توپوں کی گھن گرج، نیل پیکر ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ اور آتشبار طیاروں کی پھنکار میں سنی ہے۔ ہم نے تیشۂ فرہاد کے افسانے سُن رکھے تھے۔ لیکن اب اس کی خارا شگافی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں۔ اور اس حقیقت کو محسوس پیکر بنتے پالیا ہے کہ

عشق کی اک جست نے طے کر دیئے قصے تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

جذبات کا ہجوم اور عقل و فکر کی اہمیت

برادران عزیز! ان دنوں ہمارے جذبات کافی اُبھر آئے ہیں لیکن قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جذبات کے ہجوم اور تلاطم میں بھی عقل و فکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ میدان جنگ میں خالص جذبات لڑتے ہیں۔ دلوں عقل و ہوش کا یارا نہیں ہوتا۔ بدر کے میدان میں تین سو تیرہ اہل ایمان جان کی بازی لگانے آئے تھے یہ نہتے جن کے پاس چند تلواریں اور تین گھوڑے تھے، اپنے سے تین گنا دشمنوں کی مسلح فوج پر غالب آگئے۔ دشمنوں کو کیوں شکست ہوئی۔ قرآن کہتا ہے کہ آؤ تمہیں اس کی وجہ بتائیں کہ یہ مسلح اور کئی گنا طاقتور دشمن کیوں شکست کھا گیا۔ یہ اس لئے

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

انہوں نے میدان جنگ میں عقل و فکر سے کام نہ لیا

اس لئے شکست کھا گئے۔ دیکھا آپ نے کہ وہ عین میدان جنگ میں بھی عقل و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے نہیں دیتا۔

عزیزان من! میں چاہتا ہوں کہ آج جذبات کے طوفان سے ہٹ کر ہم یہ دیکھیں کہ عقل و فکر کی بنا پر قرآن کریم ہمیں کیا روشنی اور ہدایت دیتا ہے۔ کیا راہ نمائی عطا کرتا ہے۔ کیونکہ قرآن کی راہ نمائی میں ہم عقل و فکر کی رو سے جن فیصلوں پر پہنچیں گے یقیناً وہی فیصلے صحیح ہونگے۔ انہی سے دور رس نتائج مرتب ہونگے اور حقیقی کامیابیاں حاصل ہونگی۔ اس سے کہیں یہ نہ سمجھ لیجئے کہ جذبات بیکار شے ہیں۔ بالکل نہیں۔ جذبات بڑی قوت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی راہ نمائی یہ ہے کہ جذبات کو عقل و بصیرت اور عقل و بصیرت کو وحیٔ خداوندی کے تابع رکھا جائے۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ آج جذبات کے ہجوم میں قرآن ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یاد رکھو انسانوں کی دنیا میں ہم اپنے پروگراموں کی تکمیل براہ راست نہیں کرتے بلکہ خود انسانوں کے ہاتھوں سے سرانجام دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (۲/۲۵۱)

اگر ہم ایسا انتظام نہ کریں کہ فساد کرنے والی جماعت کے مقابلے میں دوسری جماعت کو کھڑا کر دیں جو ایسے فساد کرنے والوں کو انکے فساد سے باز رکھے ان کی روک بن جائے۔ ان کو آگے بڑھنے نہ دے تو دنیا میں فساد ہی فساد برپا ہوتا رہے۔

انسانی ہاتھوں سے قانونِ مشیت کی تکمیل

انسانوں کی ایک جماعت کو کھڑا کیا جاتا ہے فساد کرنے والوں کی روک تھام کے لئے۔ یعنی خدا کا یہ فیصلہ، مشیت کا یہ پروگرام، حق کا یہ غلبہ، یہ سب کچھ انسانوں کے ہاتھوں تکمیل پاتا ہے۔ اس کے لئے خود انسانوں کے دست و بازو کام کرتے ہیں۔

مدینے میں حضور نبی اکرم وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے ہاتھوں اسلامی مملکت قائم ہوئی تو کچھ مسلمان مکّے میں پیچھے رہ گئے۔ وہاں ان پر اسی طرح مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے جس طرح آج کشمیر اور بھارت کے مسلمانوں پر۔ وہاں کے مسلمان چیخ چیخ کر خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اس کی امداد و نصرت طلب کر رہے تھے۔ اور خدا مدینے کی جماعت مومنین سے کہہ رہا تھا ـــــ سُنیئے! قرآن کے الفاظ میں وہ کہہ رہا تھا کہ

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا (۴/۷۵)

"مسلمانو! تم سنتے نہیں۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ مکے کے مسلمان چلّا چلّا کر ہم سے امداد کے لئے فریاد کر رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی محافظ بھیج۔ جو ہمیں ظالموں کی اس بستی سے نکال کر کسی جائے پناہ میں لے جائے۔

خدا سے دعائیں کی جا رہی ہیں، مدد مانگی جا رہی ہے۔ اور اس کے جواب میں خدا مدینہ کے مسلمانوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ کیا تمہارے کان اس فریاد کو نہیں سنتے؟ تم کیوں جنگ کے لئے میدان میں نہیں نکلتے۔ ان کی مدد کے لئے نہیں اٹھتے۔

خدا تو اس پر قادر تھا براہ راست ان کی مدد کرے۔ اس کی قدرت مطلقہ سے کیا بعید ہے کہ جہاں کہیں مظلوم فریاد کرے وہ فوراً ظالم کی کلائی مروڑ کر رکھ دے۔ لیکن خدا ایسے نہیں کرتا۔ مظلوم خدا سے فریاد کرتا ہے۔ اور خدا ان لوگوں سے جن میں مدد کرنے کی طاقت اور استطاعت ہے یہ کہتا

سہے کہ تم ان کی مدد کے لئے کیوں نہیں اٹھتے۔ اب یہ جو مدد کے لئے اٹھتے ہیں ان سے کہا جا رہا ہے کہ مظلوم کی مدد کے لئے اٹھنا، حق و صداقت کی مدافعت کے لئے اٹھنا ہے۔ خدائی پروگرام کو غالب کرنے کیلئے اٹھنا ہے یہ خدا کے (BEHALF) پر اس کے نمائندے بن کر جاتے ہیں۔ ان کے جانے سے پہلے قرآن کہتا ہے کہ ذرا ٹھیر جاؤ یونہیں اٹھ کر نہ چل دو بلکہ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ (۸/۶۰)

بھرپور تیاری اور عزم وثبات کی ضرورت

اپنی سرحدوں کو چھاؤنیوں سے مضبوط کرو۔ اس طرح مضبوط کرو کہ تمہارے دشمنوں اور تمہارے خدا کے دشمنوں کے دل دہل جائیں۔ اور ان دشمنوں کے بھی جو تمہیں دکھائی نہیں دے رہے لیکن ہم انہیں بخوبی جانتے ہیں۔ اپنی سرحدوں کو اتنا مضبوط کرو کہ ان پر تمہاری طرف بُری نگاہ سے دیکھنے کا یارا تک نہ رہے۔ وہ اسکی جرأت تک نہ کر سکیں۔

اس کے بعد کہا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو یہ نہ دیکھو کہ تم تعداد میں کم ہو۔ تم اپنے سے دس گنا دشمن پر غالب آ سکتے ہو۔ لیکن غالب آؤ گے کیسے! سنیئے!

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۔ (۸/۶۵)

تم میں اگر بیس ثابت قدم ہوں گے یو جم کر کھڑے ہو جائیں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے

دوسرے مقام پہ کہا کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (۸/۴۵)

جب دشمن سے مقابلہ ہو اور وہ تمہارے سامنے آ جائے تو تم جم کر کھڑے ہو جاؤ۔ ثابت قدم رہو۔ اور قوانین خداوندی کو سامنے رکھو۔ اس سے تم کامیاب ہو گے۔

پھر کہا کہ

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (۸/۴۶)

باہمی اختلافات اور تنازعے پیدا نہ کر لینا۔ پوری اطاعت کرنا مرکزِ ملت کی۔ اگر تم نے جھگڑے کھڑے کر لئے تو تمہارے دلوں میں افسردگی اور واماندگی پیدا ہو جائے گی۔ وَاصْبِرُوْا ۔ استقامت سے کام لو۔

وَاللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ - ہم ساتھ تو یقیناً دیا کرتے ہیں لیکن ان کا جو خطرات کے مقابل جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

غور فرمایا برادران عزیز آپ نے! اٹھو مظلوموں کی مدد کے لئے۔ ہمارے پروگرام کی تکمیل کے لئے اپنی سرحدوں کو مضبوط کرو۔ میدان جنگ میں ڈٹ کر اور جم کر مقابلہ کرو۔ باہمی اختلاف نہ کرو۔ امیر کی اطاعت کرو۔ اگر یہ کیفیتیں تم میں پیدا ہو گئیں تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ لیکن اگر تم نے جھگڑنا شروع کر دیا تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ تمہارے دل افسردہ و پژمردہ ہو جائیں گے۔ دشمن تم پر غالب آ جائیگا۔

تائید خداوندی کا مفہوم

یہاں ہمارے سامنے تائید خداوندی کا مسئلہ آتا ہے۔ یہ خدا کی تائید کیا ہوتی ہے اور اس کے حاصل ہونے سے مراد کیا ہے، اسے سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے ہر معاملہ میں کچھ قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ اور خدا کا ہر فیصلہ ان قوانین کے مطابق طے پاتا ہے۔ اگر ہمارا پروگرام اور عمل خدا کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق ہوتا ہے تو ہمیں اس کی تائید حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر ہم ان قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ہمیں اس کی تائید حاصل نہیں ہوتی۔ کشتی کی مثال سے بات کو سمجھئے۔ یعنی اگر آپ اپنی کشتی کو پانی کے بہاؤ کے رخ چلائیں گے تو یہ خدا کے قانون سے مطابقت ہوگی۔ اس کا قانون تمہارے ساتھ ساتھ چلے گا اور تھوڑی سی محنت سے آپ دیکھیں گے کہ کشتی کی رفتار کتنی تیز ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر آپ کشتی کو چڑھاؤ کے رخ لے جانا چاہیں گے تو یہ خدا کے قانون کے خلاف چلنے کی کوشش ہوگی۔ اس میں آپ کو کس قدر مشقت اٹھانی پڑیگی اور کشتی کی رفتار کم ہو جائیگی۔ یہ ہے خدا کی تائید اور عدم تائید کا معاملہ۔ یعنی جو کچھ کرو اس میں یہ پیش نظر رکھو کہ خدا کا قانون کیا کہتا ہے۔ اسی قانون سے مطابقت میدان جنگ میں فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتی ہے۔ اور اسی کی خلاف ورزی سے شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں شکست ہوتی ہو تو یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ اللہ نے ہماری تقدیر میں ہی ایسا لکھ دیا تھا۔ یا یہ کہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی مصیبت کو کون ٹال سکتا ہے۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں۔

آیئے! اس معاملہ کو قرآن سے سمجھیں۔ احد کے میدان میں کفار سے مقابلہ ہے۔ صحابہ کبارؓ جیسی فوج۔ نبی اکرمؐ جیسے کمانڈر۔ فوج کے ایک دستے نے قانون کی خلاف ورزی کی۔ کمانڈر کے حکم کو پس پشت ڈال دیا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اسی فوج کو جس کے متعلق کہا گیا تھا کہ فرشتوں کی مدد ان کے ساتھ شامل ہے، ایسی شکست ہوئی کہ تاریخ کے بیان کے مطابق خود نبی اکرمؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے اور بھاگڑ مچ گئی۔

حنین کے معرکہ میں مسلمانوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ قرآن کریم کے الفاظ میں انہیں اپنی کثرت تعداد پر گھمنڈ پیدا ہو گیا۔ اور اسی گھمنڈ میں جنگ کے آئین و ضوابط نظر انداز کر دیئے۔ قرآن نے کہا کہ دیکھا تمہیں کتنی

بڑی شکست ہوگئی۔ اور پھر جب قاعدے کے مطابق عمل کیا تو وہی شکست فتح میں بدل گئی۔ قرآن کریم نے اس مقام پر کہا کہ

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا (۳/۱۶۴)

جب تمہیں یہ شکست ملی۔ اور میدان جنگ میں یہ مصیبت نازل ہوئی۔ حالانکہ اس سے پیشتر تمہارے ہاتھوں دشمنوں کو اس سے دگنی شکستوں کے زخم لگ چکے ہیں۔ تو تم نے پوچھنا شروع کر دیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ یہ شکست کیسے ہوگئی؟ یہ مصیبت کیوں آئی۔ ہم جیسے بے عمل اور دوں ہمت ہوتے تو فوراً کہہ دیتے کہ سب کچھ تقدیر میں لکھا ہوا تھا۔ ہر مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔ انسان بیچارہ تو مجبور محض ہے۔ لیکن سنیئے کہ خدا کیا کہہ رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (۳/۱۶۴)

اے رسولؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ہے

جب بھی ناکامی اور شکست ہو، کھڑے ہو کر سوچو کہ ہم نے کہاں غلطی کی۔ کہاں قانونِ خداوندی کا دامن ہاتھ سے چھوٹا۔ یہ ہے وہ ہدایت اور راہنمائی جو جنگ میں جذبات کی تلاطم انگیزیوں میں قرآن کریم ہمیں عطا کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اسے پیش نظر رکھو اور دیکھو کہ کامیابی کس طرح تمہارے قدم چومتی ہے۔

نیا انقلاب | موجودہ جنگ نے ہماری زندگی میں جو انقلاب عظیم پیدا کیا ہے وہ سب کے لئے وجہ حیرت ہے۔ ہم ۵ ستمبر کی شب کو سوئے تو کسی اور قوم کے فرد تھے لیکن چھ ستمبر کی صبح کو انگڑائی لے کر اٹھے تو ایک دوسری قوم کے فرد تھے۔ سوچئے کہ یہ ہوا کیا؟ علامہ اقبالؒ نے ملت کی تعریف (DEFINITION) موزوں ترین الفاظ میں کی ہے۔ پہلے انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں کہا ہے کہ

چیست ملت؟ اے کہ گوئی لا الٰہ — یعنی اے لا الٰہ کہنے والے ملت کسے کہتے ہیں۔

اور اگلے مصرع میں خود ہی بتایا کہ

با ہزاراں چشم بودن یک نگاہ

یعنی ہزاروں آنکھیں ہوں لیکن نگاہ ایک ہو۔ نصب العین ایک ہو۔ سطح نظر ایک ہو۔ زاویۂ نگاہ ایک ہو۔ اسے ملت کہتے ہیں۔ ہوا یہ کہ ۶ ستمبر سے قبل ہم ایک ملت نہیں تھے۔ ہم دس کروڑ افراد تھے جن کی اپنی الگ الگ نگاہ تھی۔ سنہ ۴۷ء کے خطرناک ہنگاموں میں ہمارے ایک ملت ہونے کی ہلکی سی جھلک نظر آئی

کے سامنے آئی تھی۔ اس ایک مقصد، ایک نصب العین اور ایک نگاہ نے وہ کچھ کر دکھایا تھا کہ آج تک بھولا نہیں۔

لیکن اس کے بعد ہم انفرادی مفاد پرستیوں میں کھو گئے۔ پوری قوم کے سامنے کوئی نصب العین نہ رہا۔ ہر ایک کے سامنے اپنا اپنا مفاد اور اپنا اپنا نصب العین ترتیب پا گیا۔ ۵۔ ستمبر ۱۹۶۵ء تک ہم اسی "نماز بے امام" میں کھوئے چلے آئے۔ ہر مقصد اور غرض و غایت انفرادی صورت اختیار کر گیا۔ مذہب والے ہمیں پہلے ہی انفرادی نجات کا تصور دیئے چلے آ رہے تھے یعنی قوم کی نجات کے متعلق ہم نے مذہبی نقطہ نظر سے بھی کچھ نہ سوچا تھا۔ اب دنیاوی مفاد بھی انفرادی ہو گئے۔ ملی مفاد کا تصور ہمارے سامنے نہ رہا۔

لیکن آپ قرآن کریم کو شروع سے آخر تک دیکھ جایئے۔ اس کی ساری دعائیں اجتماعی ہیں۔ ملت کے لئے ہیں۔ لیکن ہمیں اپنے اپنے مفاد کی فکر پڑی رہی۔ ہماری دعائیں ذاتی مفاد کے لئے تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افراد باقی رہ گئے۔ ملت ختم ہو گئی۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو دشمن کا حملہ ہمارے لئے باعث رحمت ثابت ہوا۔ اور اس صبح ہم جو بستروں سے اٹھے تو افراد نہیں تھے بلکہ ایک قوم تھے۔

اسلام اور وطن

اس جنگ کے سلسلے میں ایک نکتہ یاد رکھیئے! ہندو کے پاس بھارت ماتا کا سلوگن (SLOGANS) تھا۔ وہ وطن کے نام پر جنگ لڑ رہے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے بھی ماں وطن کی خاطر جانیں لڑائی ہیں؟ یاد رکھیئے کہ ایک مسلمان کے نزدیک وطن مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ ذریعہ ہے دین کی حفاظت کا۔ ہمیں اپنا وطن عزیز ہے اس لئے کہ اس کے اندر رہتے ہوئے ہمارا دین محفوظ رہتا ہے۔ اور اگر وطن ہی مقصود بالذات ہو۔ یہ دین کی حفاظت کا ذریعہ نہ ہو تو پھر ہم میں اور دنیا کی دیگر قوموں میں فرق کیا رہا۔ اقبالؒ نے اسی مقام پر کہا تھا کہ

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

پاکستان کی حفاظت ہمارے ایمان کا جزو ہے اس لئے کہ اس وطن کے محفوظ رہنے سے ہمارا دین محفوظ رہتا ہے اگر وطن ہی مقصود بالذات ہوتا تو ہمیں الگ خطہ زمین حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ وطن تو انڈیا بھی تھا لیکن اس وطن میں ہمارا دین محفوظ نہیں تھا۔ اس لئے مقصود بالذات خدا کا دین ہے۔

یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ پچھلے دنوں سے جو آوازیں چاروں طرف گونجتی سنائی دے رہی ہیں وہ یہی ہیں کہ

اے وطن۔ میرے وطن۔ پیارے وطن۔ کس قدر شاداب ہیں تیرے چمن

یا

وطن ہے ہمارا وطن کے ہیں ہم — یہی دھن ہے جب تک کہ ہے دم میں دم

یا

تم اپنے وطن کی حفاظت کو جاؤ۔ وطن کو بچاؤ۔

لیکن ایک مسلمان کی زبان سے اس کے بعد یہ نکلنا چاہیئے کہ وطن کو بچاؤ۔ اس لئے بچاؤ کہ دین محفوظ رہے۔ وطن کی حفاظت کرو تاکہ اس کے ذریعے دین کی حفاظت ہو۔

اپنی نگاہوں کے سامنے وہ منظر لایئے جب وہ ذات اقدس و اعظمؐ اپنے تین سَو تیرہ صحابہ کبارؓ کے ساتھ صف آرا تھی۔ حضورؐ ایک طرف نکل گئے اور ایسے خشوع و خضوع سے دعا کر رہے تھے کہ چادر شانہ مبارک سے لٹک کر نیچے آ رہی تھی۔ دعا یہ تھی کہ

یاالٰہا! یہ مختصر سی جماعت جو تیرا نام بلند کرنے کے لئے اس میدان میں سربکف آ کھڑی ہوئی ہے، اگر آج اس میدان میں ختم ہو گئی تو قیامت تک تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔

وطن کی حفاظت کے لئے ہم اس لئے لڑیں گے کہ اس سے ہماری اپنی حفاظت ہوگی۔ اور ہمیں اپنی حفاظت اس لئے مطلوب ہے کہ

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تباہ حال مہاجرین کا مسئلہ

یہاں ایک اور اہم مسئلہ سامنے آتا ہے اور وہ ہے ان لٹے پٹے تباہ حال مہاجرین کا مسئلہ جو حالیہ جنگ کی تباہ کاریوں کی زد میں آ گئے۔ انہیں اپنے گھر بار چھوڑ کر خانہ بدوش ہونا پڑا۔ واہگہ، سیالکوٹ اور دوسرے محاذوں پر ایسے ہزاروں مصیبت زدگان کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں بہت سے کیمپوں میں آباد ہیں اور بہت سے دربدر پھر رہے ہیں۔ قوم نے ان کی ہر ممکن امداد بھی کی ہے۔ لیکن ایک باریک نکتہ کو نگاہوں کے سامنے رکھئے اور وہ یہ کہ ہم انہیں جب کچھ دیتے ہیں تو یوں دیتے ہیں جیسے کسی گداگر کو کچھ دے رہے ہیں خدا کے غضب سے ڈریئے۔ جو تباہی ان کے حصے آئی وہ ہمارے حصے میں بھی آ سکتی تھی۔ اگر وہ اجڑ گئے اور ہم محفوظ رہ گئے

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم انہیں گداگر سمجھنے لگ جائیں۔ یہ حضرت انسانیت کی توہین و تذلیل ہے۔ یاد رکھیے کہ ان کا بھوک سے مرجانا باعث ننگ انسانیت نہیں ہوگا لیکن اگر آپ انہیں بھیک اور خیرات کے طور پر کچھ ٹکڑے دیں گے تو ہم انسانیت کو ذبح کر کے رکھ دیں گے۔

یاد رکھئے کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی۔ کیا پتہ کس کس کا گھر بمباری کا نشانہ بنے اگر ان کی خاطر نہیں تو خود اپنے مستقبل کے لئے ہی انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھئے۔ سوچئے کہ اگر اس حالت میں کوئی ہمارے ساتھ بھگ منگوں کا سا سلوک کرے تو ہمارے دل پر کیا گذرے گی۔ وہ ہمارے بھائی ہیں اور قرآن نے کہا کہ یاد رکھو۔

فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۷۰/۲۴)

یہ جو اس طرح آج حادثات کا شکار ہوتے ہیں ان کا تمہاری دولت میں حق ہے۔ اور حق بھی وہ جسے خدا نے فرض کیا ہے۔ جو ہر شخص کو معلوم ہے۔ وہ تم سے اپنا حق لیتے ہیں اور حق لینے والا گداگر نہیں ہوتا۔

حضور نبی اکرم کے زمانے میں یہ کیفیت مدینے میں بھی پیدا ہوئی تھی۔ جب مکہ کے اسی طرح اجڑے ہوئے مہاجر وہاں پہنچے تھے۔ انصار مدینہ نے انہیں گداگر نہیں سمجھا تھا بلکہ اپنے بھائیوں کا درجہ دیا تھا۔ قرآن کریم کی راہ نمائی میں حضورؐ نے ان میں مواخات قائم کر کے انہیں انصار مدینہ کے خاندانوں کے فرد بنا دیا تھا۔

یہ ہے وہ مواخات جو قرآن کریم کی تعلیم اور نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اسی کے تابع اس مسئلے کا حل سوچئے۔ اور یاد رکھئے کہ یہ جو لٹ پٹ کر آئے ہیں کل تک عزت اور دولت کے مالک تھے۔ صاحب شرف و تکریم تھے۔ وہ بیسیوں کو کھلا کر کھاتے تھے۔ ایک ہنگامی حادثے نے انہیں اس حالت تک پہنچا دیا۔ ان کی اپنے سے زیادہ عزت کرو۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھئے کہ جنگ کا خطرہ ابھی دور نہیں ہوا۔ ہمارا واسطہ اس قوم سے ہے جس کے اور تھ شاستر کے "بے اصولی کے اصول" آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ جنگ کے دنوں میں تو ہم آمنے سامنے تھے لیکن جب یہ قوم امن کا لباس پہن کر سامنے آتی ہے تو چپکے سے چھرا گھونپنے سے فرق نہیں کرتی۔ اس لئے ہمیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ آپ ابھی اپنے آپ کو خطرات سے باہر نہ سمجھئے اور یاد رکھئے اگر آپ نے ذرا سا تغافل برتا یا اطمینان محسوس کر لیا تو آپ اس کے نتائج سے بچ نہ سکیں گے۔ اس لئے کہ

مگر کوتاہیٔ ذوقِ عمل ہے خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

اس لئے کبھی اپنے بازو سمٹنے نہ دیجئے۔ اور ہر وقت یہ ذہن میں رکھیئے کہ ہم جنگ کے اندر ہیں۔

ان حالات میں اپنی حکومت پر پوری طرح اعتماد رکھیئے اور بھروسہ کیجئے۔ ان پر ملک کے تحفظ اور نگہبانی کی ذمہ داری ہے۔ جو معلومات انہیں حاصل ہیں وہ عوام کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ ان کے فیصلے انہی معلومات کی روشنی میں طے پاتے ہیں۔ اس لئے جنگ کے دنوں میں ان کے فیصلوں پر تنقید کرنے سے باز رہیئے۔ ہمارا قومی فریضہ یہ ہے کہ ان فیصلوں کو کامل اعتماد اور یکجہتی سے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ حکومت کے کتنے ہی راز (SECRETS) ایسے ہوتے ہیں جو عوام کو بتائے نہیں جا سکتے۔ اس لئے ان کی دشواری یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ فیصلوں کا اعلان کرتے وقت یہ نہیں بتا سکتے کہ ان کے فیصلوں کی بنیاد کیا ہے۔ اس صورت میں حکومت پر اعتماد ہی وہ یقین ہے جس کی بنا پر ہم ان فیصلوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں۔

والسلام

لیہ میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم

لیہ میں ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ کے بعد (ٹھیک تین بجے) نقل ہوٹل (نزد ریلوے اسٹیشن) میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم بذریعہ ٹیپ سنایا جاتا ہے۔

(نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام۔ لیہ)

لاہور میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم

ہر اتوار کو ۔ ۲۵-بی گلبرگ میں ۔ ۹½ بجے صبح شروع ہوتا ہے۔

(نمائندہ بزمِ طلوعِ اسلام ۔ لاہور)

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

آگ ہے۔ اولادِ ابراہیمؑ ہے نمرود ہے

(۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو حزبِ خلیل کے اجلاس بی۔این سنٹر۔ لاہور کی تقریر)

چھ ستمبر (۱۹۶۵) کا چاند ابھی رخصت سفر باندھ رہا تھا، بچے جوان بوڑھے، مرد، عورتیں، دن بھر کی مشقت کے بعد ایک نئے دن سے تازہ دم ہونے کے لئے ابھی سوئے ہوئے تھے، ابھی مؤذن نے بھی انہیں یاد دلانے کے لئے نہیں پکارا تھا کہ صلوٰۃ نیند سے بہتر ہے ___ کہ شیطان کے نمائندے انہیں ایک اور طرح کی نیند سلانے کے لئے دبے پاؤں گھس آئے اور ایک کینہ دشمن، بغیر للکارے، بغیر مقابلے کے لئے کسی کو پکارے، مکار فطرت بنیا، اپنے بھاڑے کے ٹٹوؤں اور اپنے آقاؤں کے دیئے ہوئے ساز و سامان سے لیس ارضِ پاک پر چڑھ دوڑا۔

اسے اپنے ساز و سامان کا غرور تھا، اسے اپنی عددی طاقت، اپنی کثرت کا گھمنڈ تھا، وہ ادھر ہی خواب لے کر آیا تھا مگر وہ طاقت کے نشے میں یہ فراموش کر بیٹھا تھا کہ اس نے کس قوم پر شب خون مارا تھا، وہ بھول گیا تھا کہ اس نے ایک ایسی قوم کی غیرت و حمیت کو للکارا تھا جس کے سامنے کثرت و قلت کا کچھ اور ہی فلسفہ ہے، جسے اس کے خدا نے پرانی قوموں کی مثالوں سے یہ بات سمجھا رکھی ہے کہ قلت و کثرت فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی، جسے اپنے رب کا یہ فرمان یاد ہے "ہم نے بارہا تھوڑی تعداد والوں کو زیادہ تعداد والوں پر فتح دی ہے" جس قوم کے لئے لڑنے کو یہ تسلی، یہ سامان کافی ہو کہ وہ حق کے لئے لڑ رہی ہے، وہ وعدہ شکن دشمن کے خلاف لڑ رہی ہے۔ اور حق کے لئے ثابت قدم رہے گی تو اس کا اپنے خدا کے اس وعدے سے حوصلہ بلند ہوتا ہے کہ "اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آجاویں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ایسے ہوں تو ایک ہزار کفار پر غالب آجاویں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو حقائق کو کچھ نہیں سمجھتے"

مادیت کے پرستار اس دور میں اس بات سے عقلی طور پر منحرف سے تھے للّٰہ الحمد کہ عساکر پاکستان کی جوانمردی، دلیری، جرأت، بہادری اور شجاعت کی حیرت انگیز داستانوں سے ——— کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا؟ ——— اس زور بازو کے ملکی اور غیر ملکی سبھی قائل ہوگئے ہیں ——— آج پھر دکھا دیا ہے کہ خدا کا وعدہ سچا ہے، شرط صرف ایمان کی ہے، ممکن ہے ان دلیر غازیوں اور زندہ جاوید شہیدوں کی داستانوں نے متزلزل ایمان والوں کے ایمان کو مستحکم کر دیا ہو، اندھیرے میں بھٹکتی ہوئی عقل کو ایمان کی روشنی دکھا دی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں جہاں کفار سے لڑنے کے لئے یہ کہا ہے "ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل و خوار کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا" وہیں یہ بھی کہا ہے کہ "اور بہت سے قلوب کو شفا دے گا۔"

جرأت و مردانگی کے ان پیکروں، ان مجاہدین ارض پاک سے بات کیجئے تو ان کے پُرعزم سر بھی رب العزت کے آگے خم ہیں کہ یہ تائید ایزدی ہے جو ان کی کامیابیوں کی ذمہ دار ہے کیونکہ وہ فرمانِ خداوندی ہی کے مطابق اُن سے لڑ رہے ہیں جو معاہدوں تک کا پاس نہیں کرتے!

بہادر مجاہدوں کے ہم جتنے بھی ممنون ہوں کم ہے، بقول کمانڈر ان چیف اگر اس وقت مجھ سے کوئی پوچھے کہ ہماری آزادی اور ہماری غلامی، ہماری عزت اور ذلت کے درمیان کوئی روک ہے تو میں کہوں گا وہ ہیں ہماری شیر دل افواج!

مگر برادران! آج کی جنگ صرف ایک محاذ پر ہی نہیں لڑی جاتی، اس کے لئے ہر شہری کو اپنا فرض ادا کرنا ہوتا ہے۔

خوف و ہراس کا شکار ہونا، افواہیں پھیلانا، افواہیں پھیلانے کا موجب بننا یا ان پر یقین کرنا، بے جا بحثوں اور اندیشہ آمیز سوچ میں گرفتار ہونا، اپنے کام سے غفلت یا اغماض یا بے دلی ——— یہ سبھی باتیں دشمن کو تقویت دینے والی ہیں، ہر کارخانہ، ہر کھیت، ہر دفتر، ہر دکان، ہر کام بلکہ ہر فرد ایک مورچہ ہے ——— ہاں ہر فرد ایک مورچہ ہے کیونکہ اگر اس کا قلب قوی ہے، اگر اسے اپنے مقصد پر یقین ہے، اگر اس کا ایمان مضبوط ہے اور وہ اس کے لئے ڈٹ سکتا ہے، اگر وہ اس کے لئے قربانی دینے کو تیار ہے اگر اس کے قلعے کی دیواریں خوف و ہراس سے نہیں لرزتیں تو وہ سب کے لئے باعث تقویت ہے!

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس وقت ہمارے قلوب پر وہ اثر کیا ہے کہ دوست و دشمن کسی کو بھی اس سے قبل یقین نہ ہوگا ——— آج ہم میں کوئی اختلاف نہیں۔ آج ہم میں کوئی پارٹی بازی نہیں،

آج ہم سب ایک ہیں، آج ہم سب ایک ہی مضبوط رسی کو تھامے ہوئے ہیں اور وہ مضبوط رسی اللہ کی رسی ہے ——— فوج کی پشت پر ایک متحد، پرعزم قوم ہے، اپنے اپنے فرض کو پہچاننے والے افراد پر مشتمل قوم ——

اب ہمارا کام سپلائی لائن کو قائم رکھنا ہے، اب کسی کو ایک دانہ اناج ضائع نہ کرنا چاہیئے اور نہ کوئی پیسہ فضول خرچ، اب نہ کوئی قیمت چڑھنی چاہیئے نہ کوئی چیز بے جا جمع، ہر چیز، ہر ایک کو اس کی ضرورت کے مطابق باقاعدگی سے بہم پہنچنی چاہیئے اور اگر اسمیں کوئی دقت بھی اٹھانی پڑے، ضروریات کم کرنی پڑیں، آرام چھوڑنے پڑیں تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے، ہمیں یہ فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ پاکستان میں جو کچھ بھی ہے ہماری یہ تمام عمارتیں، بنگلے اور کوٹھیاں، ملیں اور کارخانے، زمین، کھیت کھلیان ذخیرے ہر چیز پاکستان ہی کی برکت اور اسی کے دم قدم سے ہے، قیام پاکستان سے قبل ہم میں سے کتنے تھے جو اس خوشحالی، اس فراوانی اور خدائی نعمتوں کی اس افراط کا تصور بھی کر سکتے تھے جو آج ہمیں میسر ہیں اور آج جب پاکستان کی سلامتی ہم سے کسی چیز کا تقاضا کرتی ہے تو ہمیں وہ سب پاکستان کے قدموں میں ڈال دینا چاہیئے!

خطرہ ابھی ختم نہیں ہوا، ابھی فتنے کا قلع قمع نہیں ہوا، جہاد ابھی جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک فتنہ و فساد کا خاتمہ نہ ہو جائے گا ——— ابھی آگ بھی ہے، اولاد ابراہیم بھی اور نمرود بھی ہے، ابھی ہمارے عزم، ہمارے ایمان کے امتحان باقی ہیں، ہم نے بت پرست بھارتیوں کے، طاقت، قوت، اکثریت، ساز و سامان پہ بھروسے، کے سبھی چھوٹے بڑے بت پاش پاش کر دیئے ہیں اور کلہاڑا سیاست کے سب سے بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا ہے کہ خود ہی بتائے یہ طاقت، یہ قوت یہ ساز و سامان اس سب سے اس بت پرست کو کس نے لیس کیا تھا ———

بڑی بڑی طاقتوں کو بھی تاریخ کی ان داستانوں کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ان سے پہلے بھی ایسی قومیں ہو گزری ہیں جو اپنی قوت و اقتدار، دبدبے اور گھمنڈ میں ان سے کم نہ تھیں۔ ان میں ایسے بھی تھے کہ صاحب ضرب کلیمؑ کے سامنے اپنے مصاحبوں سے کہتے تھے کہ کوئی اتنا بلند مینار، کوئی ایسا سکائی سکریپر تو بناؤ کہ اس پر چڑھ کر ہم موسیٰ کے خدا سے بات کریں۔

——— ان قوتوں کا حشر انہیں نہیں بھولنا چاہیئے، باقی صرف حق رہتا ہے، باطل بظاہر کتنا ہی طاقت والا کیوں نہ ہو آخر فنا ہو جاتا ہے، طاقت والوں کو بھی حق اور ناحق میں تمیز نہ چھوڑنی چاہیئے ورنہ قانون خداوندی سے کوئی بھی باہر نہیں ہے۔

۱۰ ستمبر ۶۵ء۔ حزب خلیل اجلاس بی۔ این آر سنٹر میں پڑھا گیا۔

تین اہم تصنیف

بہار نو

ادارہ طلوع اسلام کی تازہ پیشکش۔ پرویز صاحب کے بصیرت افروز مضامین اور انقلاب آفرین تقاریر کا تیسرا مجموعہ "فردوس گم گشتہ" اور "سلسبیل" کے سائز ۲۰×۳۰/۱۶ کے ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔
عام اشاعت کی غرض سے اسے چیپ ایڈیشن کے طور پر شائع کیا گیا ہے۔
قیمت فی جلد — پانچ روپے

مقام حدیث

یہ کتاب پہلے دو جلدوں میں چھپی تھی اور عرصے سے نایاب تھی۔ اب نظر ثانی کے بعد اسے ایک ہی جلد میں شائع کیا گیا ہے۔ اس سے اس کی افادی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اس ایک کتاب کے مطالعہ سے آپ بیسیوں کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔
قیمت فی جلد ——— چار روپے

اسلامی معاشرت

پرویز صاحب کی اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ شائقین کے اصرار اور طویل انتظار کے بعد اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا گیا ہے — یہ مختصر سی کتاب اپنے سادہ اور دل نشین انداز نگارش میں اپنی مثال آپ ہے اور روزمرہ کی زندگی میں قدم قدم پر قرآنی ہدایات کی روشنی سے بہرہ ور کرتی ہے۔
قیمت دو روپے ———

ادارہ طلوع اسلام - ۲۵ بی - گلبرگ - لاہور

خورشید عالم

سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے!

پاکستان نے جس دنیا میں آنکھ کھولی وہ پاکستان شناس نہیں تھی۔ اس کے ہمسایوں نے اسے ناخواندہ سمجھا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلائیں۔ عربوں کے دل میں یہ بات بڑے تکرار سے بٹھائی گئی کہ تحریک پاکستان انگریز کے ایما پر شروع کی گئی اور اس کا مقصد برصغیر کی قومی تحریک آزادی کو کمزور کرنا تھا۔ اتفاق کی بات کہ جس کس مپرسی کے عالم میں پاکستان کی پیدائش ہوئی، اس میں پاکستان کے لئے یہی چارہ کار رہ گیا تھا کہ وہ برطانیہ سے استمداد کر کے اپنے استحکام کی صورت پیدا کرتا۔ چند سالوں کے بعد اس مقصد کے لئے اسے امریکہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ چنانچہ پاکستان نے امریکہ سے فوجی معاہدہ بھی کر لیا اور وہ ان دفاعی انتظاموں میں بھی شریک ہو گیا جو امریکہ کی قیادت میں مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا میں معرض وجود میں آئیں۔ پاکستان کے ان اقدامات کو ثبوت کے طور پر دنیا میں پھیلا کے اس خیال کو تقویت پہنچائی گئی کہ یہ ملک استعماری قوتوں کا حلقہ بگوش ہے۔

امریکہ کے فوجی منصوبے اعلانیہ طور پر اشتراکیت کے خلاف تھے۔ اشتراکیت سے ان دنوں خصوصیت سے روس ہی مراد تھا۔ اور روس اور چین کو ایک جانا جاتا تھا۔ پاکستان ان تنظیموں میں اس لئے شریک ہوا تھا کہ اسے اپنے دفاعی استحکام کے لئے کسی بڑی طاقت کا سہارا چاہیئے تھا، اور یہ سہارا امریکہ کی طرف سے ہی مل سکا۔ پاکستان نے اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہیں رہنے دی تھی کہ وہ ان فوجی معاہدات میں کیوں شریک ہو رہا ہے۔ سیٹو کے معاہدات پر دستخط کرتے وقت امریکہ نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جارحیت سے مراد صرف اشتراکی جارحیت ہے۔ یعنی اگر چین، روس یا ان کے کسی اشتراکی حلیف کی طرف سے جارحیت کا ارتکاب ہوا تو معاہدہ حرکت میں آئے گا۔ ورنہ نہیں۔ لیکن پاکستان نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ جارحیت اور جارحیت میں فرق نہیں کیا جا سکتا اور

غیر اشتراکی ملک کی طرف سے بھی ہو تو اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ امریکہ نے اسے تسلیم تو نہ کیا لیکن یہ واضح ہو گیا کہ پاکستان اور امریکہ کے نقطہ ہائے خیال میں کتنا فرق ہے۔

تو گویا پاکستان خلاف اشتراکیت فوجی تنظیموں میں فوجی ضرورت کے تحت شامل ہوا۔ اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ضرورت پوری ہوئی اور پاکستان کو اپنی دفاعی قوت پیدا کرنے اور بڑھانے کا اچھا موقع مل گیا۔ لیکن عیار بھارت کو اس میں پاکستان کو بدنام کرنے کا اور بہانہ مل گیا۔ اس نے اس کا خوب چرچا کیا کہ پاکستان بنا بھی استعمار مغرب کے اشارے پر ہے اور چل بھی اسی کی مدد سے رہا ہے۔ بھارت نے تو اس کی یہ توجیہہ بھی کی کہ پاکستان استعماریت کو پھر سے برصغیر میں، لہٰذا ایشیا بھر میں، لانے کا ذمہ دار بن رہا ہے۔ یہ حربہ خوب کارگر ہوا اور کئی ممالک میں پاکستان کو پہلے سے زیادہ مشکوک نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔

پاکستان اپنی سادگی کی بنا پر ان چالوں کو نہ سمجھ سکا۔ اس نے عالمی محفلوں میں چوٹی کے سیاست دانوں کو اخلاق و ضوابط اور اقدار انسانی کی باتیں کرتے دیکھا تو وہ مطمئن ہو گیا کہ یہ دنیا اشراف کی بستی ہے اور حق و انصاف کا چرچا مخلصانہ ہوتا ہے۔ پاکستان بھول گیا کہ تقسیم کے دوران اس سے برطانیہ اور بھارت نے کس قدر دھوکہ کیا۔ پاکستان اس وقت بھی بین الاقوامی سیاست کے محرکات کو نہ سمجھ سکا جب افغانستان نے اقوام متحدہ میں اس کی رکنیت کے خلاف رائے دی۔ اور یہ دیکھ کے بھی وہ اپنے حال میں مست رہا کہ فلسطین کا مسئلہ تو دیکھتے دیکھتے ایسا عالمی مسئلہ بن گیا کہ دوسرے ممالک عربوں کا دل رکھنے کے لئے اسرائیل کی مذمت ضروری سمجھتے ہیں لیکن کشمیر کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھولتا اور کوئی لب کشائی کرتا بھی ہے تو اس میں بھارت کی طرفداری کا ہی پہلو ہوتا ہے۔ پاکستان اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا کہ اصول کی باتیں کرنے والے عملاً اصول پرست بھی ہیں، اور چونکہ پاکستان حق پر ہے اس لئے بالآخر بات اس کی صحیح مانی جائے گی اور فیصلہ حق و انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو گا۔

گویا دنیا نے بھی پاکستان کو غلط سمجھا اور پاکستان نے بھی دنیا کو غلط سمجھا۔ اور یہ دو طرفہ غلط فہمی اٹھارہ سال تک برقرار رہی۔ یہ غلط فہمی نہ ہوتی تو یوں نہ ہوتا کہ پاکستان تو اسرائیل کو پوری طرح مقہور و مردود سمجھ کر بھی عربوں میں مناسب احترام کی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا۔ لیکن بھارت اسرائیل سے براہ راست تعلق رکھنے کے باوجود اپنی قدر و منزلت نہ کھو سکا اور عرب اسے سر آنکھوں پر بٹھلاتے رہے۔ اسی غلط فہمی کا نتیجہ تھا کہ پاکستان کشمیر جیسے زندگی اور موت کے مسئلے کی سنگینی کا بھی دیگر اقوام کو قائل نہ کرا سکا۔ وہ کراتا کیسے؟ وہ نہ خود منافقانہ دوسروں کو منافق سمجھنے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ جب بھارت نے یہ اعلان کیا کہ وہ کشمیر میں استصواب کے لئے تیار ہے، اور بعد میں اسی اعلان کا اعادہ اس نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے روبرو کیا تو پاکستان نے

یقین کر لیا کہ بس مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے بعد جب آہستہ آہستہ بھارت کشمیر میں استصواب کو ناممکن بنانے لگا تو پاکستان نے سارا زور اسی پر صرف کیا کہ اس کے قول و فعل میں کتنا تضاد ہے۔ اس کے قول و فعل میں تضاد تھا۔ لیکن بین الاقوامی میدان میں اس تضاد کو کوئی نہیں دیکھتا۔ اس محفل میں تو چھلنی اور چھاج جمع ہوتے ہیں ہر کوئی اپنے اپنے سیاسی مصالح دیکھتا ہے اور انہی کے مطابق عمل کرتا ہے۔ لیکن ظاہراً بات وہ حق و انصاف کی کر رہا ہوتا ہے۔ پاکستان یہی سمجھتا رہا کہ شاید دنیا بھارت کے قول و فعل کے تضاد کو پوری طرح نہیں سمجھ سکی۔ پاکستان نے اپنی صداقت کو منوانے کے لئے، دوسرے ممالک کے مقتدر اخبارات کے حوالے پیش کرنا شروع کئے جن میں پاکستان کے مقدمے کی بدلائل حمایت کی گئی تھی، بھارت کی مذمت کی گئی تھی اور استصواب کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا۔ بظاہر یہ بڑا کارگر تیر ہونا چاہئے تھا لیکن دیکھنے اور سمجھنے کی بات یہ تھی کہ بھارت اپنی بے سروپا اور متضاد باتوں کے باوجود بڑی طاقتوں اور متعدد افریقی ایشیائی اقوام کی توجہ کا محور بنا رہا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس کے غلط اور بے معنی رویہ کو نہیں سمجھتی تھیں بلکہ یہ کہ ان کی اپنی اغراض کا تقاضا یہی تھا کہ وہ بھارت کی حمایت کریں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ مغربی ممالک کے اخبارات جس رائے کا بھی اظہار کریں حکومتیں اپنی اپنی مصلحتوں کے مطابق ہی اقدامات کرتی ہیں۔

حسن اتفاق سے بین الاقوامی سیاست کے محرکات اب اس طرح واضح طور پر سامنے آ گئے ہیں کہ پاکستان کے لئے آسان ہو گیا ہے کہ وہ ان کو بہتر طریق سے سمجھ سکے اور اپنے لائحہ عمل کو اس طرح متشکل کر سکے کہ ان کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ اس کے بغیر عالمی محفل میں پاکستان اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ صورت حال پاکستان کی دوسری جنگ سے پیدا ہوئی ہے۔ میرے نزدیک پہلی جنگ پاکستان تحریک و قیام پاکستان تھی اور دوسری موجودہ یعنی استحکام پاکستان)۔ اس جنگ نے تاروں کی گردش کچھ ایسی تیز کر دی ہے اور غوغائے رستخیز ایسا بلند کر دیا ہے کہ غلط فہمیوں کے بہت سے جہاں دگرگوں ہو گئے ہیں۔ اب ہر بات خلوص و ثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ بھارت نے جنگ شروع بھی کی اور اس سے جنگ شروع کرائی بھی گئی۔ اس پردہ زنگاری کے پیچھے جو کردار ہے اب وہ بے پردہ ہو گیا ہے، بھارت پاکستان کو تو ختم کرنا چاہتا ہی ہے، امریکہ پاکستان کو چین دوستی کی سزا بھی دینا چاہتا ہے۔ جب بھارت چین کا دوست تھا تو کہا جاتا تھا کہ امریکہ کو اس سے چینی مزاج سمجھنے میں مدد ملتی ہے لیکن بھارت نے چین سے لگاٹ پیدا کر لیا اور پاکستان ترجمانی کے قابل ہونے لگا تو امریکہ اسے سزا دینے پر اتر آیا۔ امریکی نقطہ نگاہ سے بات بالکل صاف ہے۔ بھارت چین سے دوستی کا دم بھرتا تھا تو وہ اندر اندر امریکہ سے سودا بازی بھی کرتا رہتا تھا اور بتدریج امریکہ کا طفیلی بنتا چلا جاتا تھا۔ اس کے برعکس پاکستان چین سے دوستی کر کے آزاد خارجہ پالیسی کی طرح ڈال رہا تھا۔ یہ آزادی امریکہ کے لئے قابل قبول نہ

قابل برداشت نہیں ہو سکتی۔

یہ جان لینے کی ضرورت ہے کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کا ایک ہی نقطہ ماسکہ ہے اور وہ چین ہے۔ امریکہ چوتھائی صدی سے چین سے پٹتا چلا آرہا ہے۔ ایک وقت تھا کہ چیانگ کائی شیک جیسا چینی لیڈر اس کے ساتھ تھا۔ اس لیڈر کے خلاف اندرون چین سے بغاوت ابھری۔ یہ ہشترا کی بغاوت تھی اور اسے روس کی پوری حمایت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ روس اور امریکہ چین میں لڑے اور امریکہ کو شکست ہوئی۔ امریکہ اس شکست کو بھول نہیں سکا۔ وہ اس حد تک طفلانہ حرکتوں پر اتر آیا کہ چین کے مقابلہ میں فارموسا کو چین کہنے اور کہلانے پر مصر ہے۔ اس "چین" کی حمایت کے لئے جنوبی چینی سمندر میں اس نے اپنا پورا چھٹا بحری بیڑا متعین کر رکھا ہے۔ چین ہی کی مخالفت میں اس نے کوریا میں جنگ کی آگ بھڑکائی اور اقوام متحدہ تک کو اس آگ میں جھونک دیا لیکن اسے شکست سے ہی دوچار ہونا پڑا۔ اب وہ ویٹ نام میں اس چین سے برسرپیکار ہے جس کا ایک سپاہی بھی اس علاقے میں نہیں۔ وہ لڑ ہر حال میں چین کے خلاف رہا ہے، اور لڑا ایسے رہا ہے جیسے ویٹ نام یا تو اس کا حصہ ہے یا مقبوضہ۔ یہ استعماریت کی گھناؤنی شکل ہے۔ امریکہ دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈال کر یہ قطعی طور پر بے جواز اور سراسر ظالمانہ جنگ لڑے جا رہا ہے۔ وہ یہ جنگ جیت نہیں سکتا۔ ویٹ نام نہ اس کے ساتھ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت آج تک عوام کے خلاف لڑ کے کامیاب نہیں ہو سکی۔ ایسا ہوتا تو آج دنیا میں فرعون اور نمرود ہی نظر آتے۔

امریکہ جانتا تو ہے کہ اس جنگ میں جیت اس کی نہیں ہو سکتی لیکن بزعم خود چین کو الجھائے رکھنے کے لئے وہ طاقت اور حماقت کا مظاہرہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ اس مایوسی کی تاریکی میں اسے کامیابی کی صبح کاذب نظر آنے لگی ہے۔ یہ جھوٹی روشنی اسے ہمالیہ کی برف پوش چوٹیوں کی طرف سے دکھائی دینے لگی ہے۔ چین، کوریا اور ویٹ نام تینوں ملکوں میں امریکہ نے ان لوگوں کا ساتھ دیا یا ان کی خاطر یا ان کے نام سے لڑا جو مقامی طور پر یا تو اپنا وقار ضائع کر چکے تھے یا تھے ہی بے وقار اور بے حیثیت۔ وہ ایک عرصہ سے بھارت پر للچائی ہوئی نظریں ڈال رہا ہے۔ وہاں اسے جمہوریت دکھائی دے رہی ہے اور آداب جمہوریت کے مطابق منتخب شدہ اور مقبول قیادت۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایسی قیادت کا اسے ساتھ دینا پڑے تو وہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے بھارت میں آکر ادھر سے چین سے چھیڑ خانی شروع کر دی ہے۔ بھارت امریکہ کی یہ کمزوری اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اس سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لئے اس نے تین سال قبل چین سے باقاعدہ جنگ چھیڑ دی۔ اس کا نتیجہ بھارت کے خلاف تھا۔ لیکن وہ سمجھتا ہے کہ اسے یہ فائدہ پہنچا ہے کہ ایک طرف امریکہ نے بے دریغ اس کی فوجی امداد شروع کر دی، دوسری طرف امریکہ کو یہ خیال ہو گیا کہ اس کے خلاف چین جنون کی تسکین میں

پاکستان روکاوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارت ایک ہی سانس میں چین اور پاکستان کا نام لیتا ہے تاکہ امریکہ کا اس پر دوہرا التفات ہو۔

یہاں سے بھارت کا نقشہ سامنے آتا ہے وہ اس کوشش میں ہے کہ امریکہ سے معاشی اور فوجی امداد لے کر ایک بڑی طاقت بن جائے اور ایشیا میں اپنی قلمرو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کا پلڑا جھکتا تو امریکہ کی طرف ہے لیکن توازن کے لئے وہ روس کو اپنی طرف متوجہ کئے جا رہا ہے۔ روس کو متوجہ کر کے وہ دہرا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ایک تو وہ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ وہ کسی ایک بڑی طاقت کا طفیلی نہیں، دوسرا وہ چین پر ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ روس اس کے مقابلے میں بھارت کے ساتھ ہے۔ امریکہ کے لئے بھی اس میں دہرا اطمینان ہے۔ روس بھارت کو مدد دے گا تو روس اور چین میں مغائرت بڑھے گی، اور روس اسی قدر امریکہ کے قریب ہوگا۔ امریکہ خاص طور پر کوشش کر رہا ہے کہ روس اس سے آ ملے اور بھارت میں امریکہ اور روس کا مشترکہ محاذ چین کے خلاف قائم ہو، بھارت اور امریکہ دونوں کی کمزوری سے روس فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ بڑھ چڑھ کر بھارت کی مدد کر کے اسے امریکہ کا طفیلی بن جانے سے روک رہا ہے اور اپنے حلقہ اثر میں لانے اور رکھنے کا راستہ ہموار کر رہا ہے۔ بھارت کی امداد کے لئے روس اور امریکہ میں جو دوڑ شروع ہو گئی ہے اس کا یہ نتیجہ نکل کے رہے گا کہ بھارت میں اشتراکیت کو فروغ ملے۔ ایشیا اور افریقہ کا ذہن ایسا ہے کہ بھارت میں جس غیر ملکی اثر و رسوخ پر نکتہ چینی ہو گی وہ امریکہ ہوگا۔ یعنی بھارت کی مدد تو روس اور امریکہ دونوں کریں گے لیکن اندرون ملک مذمت امریکہ کی ہوگی۔ چونکہ حکومت امریکہ کے زیر اثر ہوگی اس لئے ایک وقت کے بعد اشتراکیت مخالف قوت کی حیثیت سے ابھرنے لگے گی۔ یہ بعید از قیاس نہیں کہ جو کچھ چین میں ہو چکا ہے وہی بھارت میں ہو۔ یعنی روس کی آمد سے اشتراکیت مؤثر مخالف قوت بن جائے اور چین کی طرح بھارت روس اور امریکہ میں بالواسطہ تصادم کا میدان بن جائے۔ ایسے نظر آتا ہے کہ بھارت کے اندر سے دو قوتیں ابھریں گی ایک برہمنیت دوسری اشتراکیت۔ امریکہ برہمنیت کی پشت پر ہوگا۔

گویا روس اور امریکہ میں بھارت میں قدم جمانے کے لئے مقابلہ ہو رہا ہے۔ بظاہر یہ مقابلہ دوستانہ ہے لیکن یہ حریفانہ بن کے رہے گا۔ امریکہ اور روس کے رویئے کو سمجھنے کے لئے اس پہلو کو خصوصیت سے پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ روس کے بارے میں اس امر کو بھی خاص طور پر مدنظر رکھنا چاہئے کہ وہ اب پاکستان کو نظر انداز نہیں کر رہا بلکہ اس کوشش میں ہے کہ پاکستان کو امریکہ سے توڑے اور چین کی بجائے اپنی طرف متوجہ کرے۔ بھارت کے متعلق بھی اس کی یہی کوشش ہے لیکن چونکہ امریکہ سے مقابلہ بھارت میں شدید تر ہے اس لئے وہ پاکستان پر بھارت کو ترجیح دے رہا ہے۔ رویہ اس کا بہرحال یہی ہے۔ بھارت کے بارے میں البتہ وہ ایک حد تک چین کو یہ تاثر بھی دینا چاہتا ہے کہ وہ اس سے ناراض ہو کر بھارت کی حمایت کر رہا ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جو روس اور

اور امریکہ کے کردار کو قابل فہم بھی بناتے ہیں اور پیچیدہ بھی۔ بہر حال، پاکستان ان امور کو سامنے رکھ کر ہی عالمی سیاست میں اپنے لئے مناسب جگہ بنا سکتا ہے اور یہ باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ اب پاکستان کی پوزیشن کہیں بہتر ہو گئی ہے اور وہ اپنے شایان شان مقام نسبتاً زیادہ آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ وہ حق وصداقت کا قائل اور ان پر قائم رہے لیکن بھارت اور اقوام مغرب کے متعلق یہ خیال دل سے نکال دے کہ وہ عملاً حق و انصاف کی دلدادہ ہیں۔

بھارت میں روس اور امریکہ میں جو مقابلہ ہو رہا ہے، بھارت اسے اپنی چالاکی کا کرشمہ سمجھتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ دونوں اپنے اپنے مصالح کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں۔ بھارت اس ہیں یہ کامیابی بھی دیکھتا ہے کہ دونوں کے بیک وقت بھارت کی طرف متوجہ ہونے سے اسے غیر جانبداری کا بھرم قائم رکھنے میں مدد مل رہی ہے۔ یہ پہلے درست تھا اب نہیں رہا۔ امریکہ بھارت میں اس قدر دلچسپی لینے لگ گیا ہے کہ ایشیائی افریقی اقوام متفکر سی ہونے لگ گئی ہیں۔ اب صورت یہ ہے کہ بھارت پاکستان کو الزام دیتا تھا کہ وہ استعمار کا طفیلی اور اسے پھر سے مدعو کرنے کا ذمہ دار ہے، اب بھارت خود استعمار کا طفیلی بن گیا ہے اور اپنے دروازے اس نے استعمار فرنگ کے لئے چوپٹ کھول دیئے۔ وہ جس پوزیشن میں کل پاکستان کو سمجھتا تھا آج خود اس کی وہ پوزیشن ہو گئی ہے۔ ایشیا اور افریقہ کی قومیں پہلے تو یہ سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں ہو سکتی تھیں کہ بھارت جیسا عظیم اور ایشیائی ملک امریکہ کا طفیلی بن سکتا ہے۔ اب وہ بہت کچھ برای العین دیکھنے لگی ہیں۔ جس انداز سے بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا، اس سے انہیں بھارت کو اصلی روپ میں دیکھنے کا اچھا موقع مل گیا ہے۔ ان کی پاکستان کے متعلق بھی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ پاکستان طفیلی ملک نہیں، وہ چھوٹا ضرور ہے حقیر نہیں۔ پاکستان خوددار اور حیران کن حد تک بہادر ہے۔ وہ مخلص بھی ہے اور معتمد بھی۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ کے دوران میں افریقہ اور ایشیا کی اقوام میں سے ایک نے بھی بھارت کی حمایت نہیں کی۔ ایسے ممالک بھی ہیں جو بھارت سے اب تک مرعوب ہیں۔ وہ بھی اس کے حق میں بول نہیں سکے۔ انہوں نے پاکستان کی اعلانیہ حمایت نہ بھی کی ہو تو بھارت کی حمایت یقیناً نہیں کی۔ بھارت سے ہمدردی بھی نہیں کی۔ یہ پاکستان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ لیکن پاکستان کی مکمل کامیابی یہ ہوگی کہ افریشیائی برادری بھارت کو اچھی طرح جان جائے اور یہ سمجھ لے کہ اس کا استعماری خناس امریکہ کو بھارت کے اندر لے آنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس پر پوری طرح یقین کرنے کے لئے افریشیائی برادری کو ذرا دقت پیش آرہی ہے۔ دقت یہ ہے کہ سفید فام یورپی اقوام کو تو وہ سامراجی یقینی طور پر سمجھتی ہے۔ وہ غیر افریشیائی اقوام کو ان کا گماشتہ بھی سمجھ سکتی ہے لیکن وہ پوری طرح یہ باور کرنے کے لئے تیار نہیں کہ بھارت جیسا ملک جو پتہ کھٹکنے پر بھی استعمار کے خلاف بھونک اٹھتا تھا، استعمار کا

آلۂ کار بن سکتا ہے ۔ اتنے بڑے ملک کی برادری سے نکلنے کا صدمہ بھی معمولی نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ افریشیائی برادری اسرائیل کے خلاف قریباً متحد ہے ۔ روڈیشیا اور جنوبی افریقہ کی سفید فام اقلیت کے خلاف متحد ہے ۔ لیکن بھارت سے متعلق گومگو میں ہے ۔ پاکستان کا فرض ہے کہ بھارت کا یہ رنگ ظاہر کرے اور پوری سرگرمی سے ۔ چین اور انڈونیشیا یہ راز سمجھ گئے ہیں ۔ وہ افریشیائی برادری میں پاکستان کی بات کو قابلِ فہم بنانے میں مدد کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے

بھارت کو اصلی رنگ میں ظاہر کرنے کے لئے کشمیر کا مسئلہ کام دے گا ۔ یہ اہلِ کشمیر کی آزادی اور ان کے حق خود اختیاری کا مسئلہ ہے ۔ اس مسئلہ کو سمجھانے سے بھارت کے خد و خال ظاہر ہوں گے ۔ بھارتی جارحیت کی روشنی میں یہ خد و خال ظاہر ہونے شروع ہو گئے ہیں ۔ کشمیر کے ساتھ ساتھ ہمیں اس سمندر کی طرف توجہ دینی چاہیئے جو بھارت کے نام سے منسوب چلا آ رہا ہے ، یعنی بحرِ ہند ۔ اس نام سے بھارت ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے ، نقشے پر ذرا غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس سمندر کے کنارے بیسیوں قومیں آباد ہیں اور وہ اس کے موّاج سے براہ راست متاثر ہیں ۔ لیکن بھارت اس سمندر کا جو حلیہ بگاڑ رہا ہے اس کا صحیح اندازہ نہیں لگایا گیا ۔ ۱۹۶۲ء میں بھارت نے چین سے جنگ کی طرح ڈال دی تھی تو چین کے خوف سے بات یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ امریکہ اور برطانیہ کے فوجی جرنیل ہمالیہ کے محاذ کے یوں دورے کرتے تھے جیسے وہ ان کا اپنا محاذ ہو اور وہ براہ راست جنگ میں شریک ہوں ۔ امریکہ نے بھارت کو چین کے خلاف اپنی اگلی چوکی بنا لیا ہے اور اپنے عالمی فوجی اڈوں کو بھارت کی مدد کے لیے تیار کر لیا ہے ۔ اس کے علاوہ بھارت کی سازش سے وہ "بحرِ ہند" میں ایک قزاق کی طرح آ گیا ہے ۔ اس کا آٹھواں بیڑہ بحرِ روم میں متعین ہے ۔ چھٹا بیڑہ جنوبی بحرِ چین میں متعین ہے ۔ اب اس کا ساتواں بیڑہ "بحرِ ہند" میں آ چکا ہے ۔ اس طرح افریقہ اور ایشیا کو قریباً گھیرے میں لے لیا گیا ہے ۔ اس حصار کو ابھی اور مضبوط کیا جا رہا ہے ۔ ملیشیا کا استعمال اسی مقصد کے لئے ہو رہا ہے سیلون کے جنوب مغرب میں خالص مسلمان آبادی کے مالدیو جزائر اسی سال آزاد تو ہوئے لیکن ان کے ایک جزیرہ میں برطانیہ کا استعماری اڈہ ہے ۔ مالدیو کے آس پاس برطانیہ نے چار مزید جزیرے اس مہینے میں اڈے بنانے کے لئے حاصل کئے ہیں ۔ بھارت کے انڈیمان جزائر برطانیہ کے لئے قابلِ استعمال ہیں ۔ نام نہاد بحرِ ہند میں یوں فوجی قوت لے کر آ جانے سے برطانیہ اور امریکہ عرب ممالک ، افریقی ممالک ، ایشیائی ممالک ، بالخصوص پاکستان اور انڈونیشیا ، پر ہر طرح دباؤ ڈال سکیں گے ۔ اس دباؤ میں فوجی قوت کا مظاہرہ اور استعمال بھی شامل ہوگا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس بحر کی تہ سے استعمار ہی اچھل سکتا ہے ؟

اس سوال کا جواب زیادہ مشکل نہیں ۔ اس سمندر کا نام "بحرِ ہند" نہیں رہنا چاہیئے ۔ یہ کسی ایک ملک کا نہیں افریشیائی ممالک کا مشترکہ سمندر ہے ۔ نام بدلنے سے ان کے تحت الشعور سے یہ خیال نکلنے لگے گا کہ یہ

سمندر بھارت کا ہے ان کا نہیں اور وہ اس میں اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے مناسب دلچسپی لینے لگیں گے۔ انڈونیشیا نے اس سمندر کا نام ایک عرصہ سے "انڈونیشین اوشن" یعنی بحر انڈونیشیا رکھ لیا ہے۔ نام یہ بھی ہو سکتا ہے اور بحر افریشیا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ بہر حال باہمی طور پر فیصلہ کرنے کی بات ہے۔ نام بدلنے کے ساتھ دوسرا کام یہ ہے کہ نقشہ دیکھ کر یہ سمجھا جائے کہ اس سمندر میں کس قسم کی استعماری تزاتی پرورش پا رہی ہے اور اس کے مضمرات کیا ہوں گے۔ افریقہ اور ایشیا اس بڑھتے ہوئے خطرے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہ افریشیا کی برادری کا بڑا سنگین مسئلہ ہے۔ پاکستان اس کی سنگینی کا احساس دلانے میں مثبت کردار ادا کر سکتا ہے کیونکہ وہ بھارت کو پہلے دن سے ہی اصلی رنگ میں دیکھ رہا ہے۔ وہ افریشیائی برادری میں بھارت کو اس رنگ میں دکھانے کے لئے بڑا موزوں ہے۔ پاکستان نے غفلت کی تو ڈر ہے کہ امریکہ کی یہ کوشش کامیاب ہو جائیگی کہ چین تیسری جنگ کے لئے وہ دیوانہ وار تیاریاں کر رہا ہے اور جسے اس ڈر سے ٹالتا چلا آ رہا ہے کہ اس میں وہ خود جل کر بھسم ہو جائے گا اس کا میدان ایشیا بنے اور وہ محفوظ رہے۔ ایشیا کو تیسری جنگ کا مرکز بنانے میں بھارت کی روش از حد مذموم ہے۔ بھارت کا رویہ اس آنے والی جنگ کی علت بھی ہے اور علامت بھی۔ بھارت کے آئینہ میں آنے والی دور کی واضح تصویر دکھائی دے رہی ہے۔ اس منظر کو خدارا دیکھئے اور جو قیامت آتی نظر آتی ہے، اس کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیے۔ اب یہ صورت نہیں کہ پاکستان کو گردوں کے ستارے دور سے دیکھیں گے بلکہ اب ——— سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے! سمجھنے کی بات صرف یہ ہے کہ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے!!

لاہور میں ادارہ طلوع اسلام کی مطبوعات

انٹرنیشنل بک سروس

۷۵۔ دی مال (نزد لارڈز ہوٹل)

سے بھی مل سکتی ہیں۔

(ناظم ادارہ)

پاک۔ چین دوستی

[یکم نومبر کی شام، وائی۔ ایم۔ سی۔ اے۔ ہال، لاہور میں۔ پاکستان۔ چائنا فرینڈشپ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام، ایک جلسۂ عام منعقد ہوا جس میں (منجملہ دیگر مقررین) پرویز صاحب نے تقریر کی جس کا موضوع تھا۔ جنگ کی حیثیت اور پاک۔ چین دوستی قرآنی نقطۂ نگاہ سے۔ تقریر برجستہ تھی لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہمیں تقاضے موصول ہوئے ہیں کہ اسے طلوعِ اسلام میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ اسے 'نوٹس' سے مرتب کر کے شائع کیا جاتا ہے۔ طلوعِ اسلام]

صدرِ محترم۔ میری عزیز بہنو اور بھائیو!

جن حضرات کو اس سے پہلے میرے خیالات سننے یا پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، وہ جانتے ہیں کہ میرا مسلک یہ ہے کہ پیش آمدہ حالات پر، اپنی بصیرت کے مطابق قرآن کریم کی روشنی میں غور کروں اور قرآنی راہ نمائی جس نتیجہ تک پہنچائے اسے دوسروں کے سامنے پیش کر دوں۔ آج کے اجتماع میں دو نقاط زیرِ بحث ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام میں جنگ کی پوزیشن کیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ چین کے ساتھ ہماری دوستی کی بنیاد کیا ہے۔ میں ان کے متعلق قرآن کریم کی روشنی میں گفتگو کروں گا۔ پہلے جنگ کی پوزیشن کو لیجئے۔

یہ فقرہ آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ "اسلام امن اور سلامتی کا مذہب ہے"۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا ہوگا کہ صاحب! اصل میں بات یہ ہے کہ یورپ نے مسلمانوں کے خلاف جو مسلسل پراپیگنڈہ کیا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے اور اس سے مسلمانوں کی وحشت و بربریت کی نہایت بھیانک تصویر دنیا کے سامنے پیش کی، تو اس سے مسلمانوں کے دل میں احساسِ کہتری پیدا ہو گیا جس سے انہوں نے معذرت خواہانہ انداز میں (Apologetically) کہنا شروع کر دیا کہ "اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے"۔ ایسا کہنے

والوں کو اسلام کی ابجد کی بھی خبر نہیں۔ ہمارا ایسا کہنا نہ تو معذرت خواہانہ ہوتا ہے، نہ مصلحت کوشانہ۔ یہ ایک حقیقت کا اظہار ہوتا ہے ـــ وہ حقیقت جو ہمارے دین کا تقاضا اور ایمان کا جزو ہے۔

اسلام نام ہے چند غیر متبدل، مستقل اقدار کے مطابق زندگی بسر کرنے کا۔ ان مستقل اقدار کا سرچشمہ خدا کی وہ صفات ہیں جنہیں عرف عام میں "خدا کے ننانوے نام" اور قرآن کریم کی اصطلاح میں "الاسماء الحسنیٰ" کہا جاتا ہے۔ ان میں خدا کا ایک نام المومن ہے جس کے معنی ہیں، امن عالم کا ذمہ دار۔ اور دوسرا نام ہے السلام، جو سلامتی کا مظہر ہے۔ یہ صفات ہمارے لئے مستقل اقدار کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی صداقت پر یقین ہمارا ایمان ہے اور جن کا تحفظ ہمارا دین۔ لہذا، اس میں معذرت خواہی یا مصلحت کوشی کا کیا واسطہ؟ ہم جماعت مومنین کے افراد بن ہی اس وقت سکتے ہیں جب امن عالم کی ضمانت ہمارا ایمان ہو اور مسلم کہلا ہی اسوقت سکتے ہیں جب سلامتی ہمارا مسلک ہو۔

لیکن اگر ایسا ہو کہ جماعت مومنین خود تو امن و سلامتی سے رہے لیکن فساد انگیز اور فتنہ پرداز قومیں نہ اسے امن سے رہنے دیں، اور نہ ہی دوسرے امن پسند لوگوں کو چین سے بیٹھنے دیں، تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ اس وقت جماعت مومنین کا فریضہ کیا ہے؟ کیا اس وقت ان کا مسلک یہ ہونا چاہیئے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہے اور شر پسند قوموں کو بے لگام چھوڑ دے کہ وہ جس طرح جی چاہے کرتی رہیں! یہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ اسلام ہمیں انسانوں کی دنیا میں رہنا سکھاتا ہے۔ جنگلوں اور غاروں میں زندگی بسر کرنا نہیں سکھاتا۔ اس باب میں اس نے اپنی تعلیم کو سورۂ حدید کی ایک آیت میں بیان کر دیا ہے جس میں کہا ہے کہ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ ہم نے اپنے پیغامبروں کو دلائل و براہین دے کر بھیجا کہ وہ لوگوں کو علم و بصیرت کی رو سے سکھائیں کہ انسانوں جیسی زندگی بسر کرنے کا طریق کیا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہم نے ضوابط و قوانین، اور میزان عدل بھی نازل کی کہ دنیا میں انصاف کی ترازو قائم رکھی جا سکے۔ لیکن اگر شر پسند قومیں نہ امن و سلامتی کی پرواہ کریں اور نہ ہی میزان عدل کو برقرار رہنے دیں، تو ان کے لئے وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ہم نے شمشیر خارہ شگاف بھی نازل کی جس میں بڑی سختی اور صلابت ہوتی ہے۔ لیکن اس کی سختی اور شدت، تباہی اور بربادی کے لئے نہیں بلکہ نوع انسان کی منفعت کے لئے ہوتی ہے۔ غیر متبدل ضابطۂ قوانین اور تلوار ـــ

ایں دو قوت حافظ یک دیگر اند ـــ کائنات زندگی را محور اند ـــ

تلوار، ضابطہ قانون کی حفاظت کے لئے کہ لوگ امن پسند رہیں۔ اور ضابطہ قانون، تلوار کا محافظ و نگران کہ یہ دنیا میں تخریب کے لئے استعمال نہ ہونے پائے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا، تو اس سلسلہ میں، میں قرآن کریم کی صرف ایک آیت پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ مسلمانوں کی تلوار مذاہب عالم کو مٹانے کے لئے تھی یا ان کی حفاظت کے لئے۔ سورۃ الحج میں ہے۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (۲۲/۴۰)۔ اگر خدا ایک جماعت کی روک تھام کا انتظام دوسری جماعتوں سے نہ کراتا رہے، تو تم دیکھو کہ دنیا میں نہ یہودیوں کے صومعے باقی رہیں نہ عیسائیوں کے گرجے، نہ راہبوں کی خانقاہیں محفوظ رہیں نہ مسلمانوں کی مساجد جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ یہ سب مسمار ہو جائیں۔ اس سے واضح ہے کہ امت مسلمہ کا ایک بنیادی فریضہ یہ تھا کہ یہ اہل مذہب کی پرستش گاہوں کی حفاظت کرے۔ اس امت کے افراد سے اس باب میں کس حزم و احتیاط سے کام لیا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ یہ واقعہ اس زمانے کا نہیں جب مسلمان کمزوروں اور ناتوانوں۔ بے کسوں اور بے بسوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب لاکھوں مربع میل پر ان کی مملکت پھیلی ہوئی تھی اور ان کی تلوار کی دھاک عرب و عجم پر بیٹھ چکی تھی۔ اس زمانے میں حضرت عمرؓ ایک فاتح کی حیثیت سے بیت المقدس میں داخل ہوئے اور وہاں کے رہنے والوں کو امان دی۔ وہاں کا بطریق اعظم (انہیں کلیسائے قیامت کے نوادرات دکھا رہا تھا کہ حضرت عمرؓ نے دو نفل نماز ادا کرنا چاہی۔ بطریق نے کہا کہ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ آپ اسی جگہ نماز ادا کریں۔ آپ نے کہا کہ نہیں تو اس پر اعتراض نہیں لیکن مجھے اعتراض ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں نے اگر یہ جا میں نماز پڑھ لی تو آنے والے مسلمان اسے نظیر قرار دے کر گرجوں کو مسجدیں نہ بنانا شروع کر دیں۔ اس لئے میں باہر جا کر نماز پڑھوں گا۔ چنانچہ آپ نے باہر چٹان پر جا کر نماز پڑھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں بعد میں مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی۔

ہماری احتیاط کا یہ عالم تھا۔ اور اب بھی ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اگر (مثلاً) بھارت کے ہندو عیسائیوں کے کسی گرجے کی بے حرمتی کرنا چاہیں تو ہم سینہ سپر ہو کر اس کی حفاظت کریں خواہ اس میں ہمیں اپنی جان تک بھی کیوں نہ دینی پڑے۔

مخالفین کی طرف سے مسلمانوں کی جنگوں کو بڑا بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن ذرا دیکھئے کہ انہیں جنگ کرنے کی اجازت کن حالات میں ملی تھی اور اس کا حکم کس مقصد کے لئے۔ تیرہ برس تک مسلسل تکالیف و مصائب برداشت کرنے کے بعد، مکہ کے مسلمان مدینہ میں آ کر پناہ گزیں ہوئے لیکن اسلام کے دشمنوں (قریش) نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور ایک لشکر جرار لے کر ان پر چڑھائی کر دی۔ اب ان کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ یا تو میدانِ جنگ میں جا کر عزت کی موت مر جائیں اور یا اپنا مسلک و مشرب چھوڑ کر ذلت کی زندگی بسر کریں۔ عین اس وقت انہیں خدا کی طرف سے یہ ہدایت ملی کہ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۔ جن

لوگوں کے خلاف ان کے دشمنوں نے اس طرح لشکر کشی کر دی ہے انہیں اجازت دی جاتی ہے کہ وہ ان سے جنگ کر کے اپنی حفاظت کا سامان کریں۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ (۲۲/۴۰)۔ یہ مظلوم وہ ہیں جنہیں ناحق ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ ان کا جرم اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب، اللہ ہے۔

یہ تھے وہ حالات جن میں مسلمانوں کو سب سے پہلے جنگ کی اجازت دی گئی۔ اور بعینہ انہی حالات کا اب ہماری صورت میں اعادہ ہوا۔ ہم نے ہندوستان میں اپنا سب کچھ چھوڑا اور ایک تنگ خطہ زمین (پاکستان) میں چلے آئے کہ یہاں اپنے تصورات کے مطابق امن کی زندگی بسر کر سکیں۔ لیکن امن وسلامتی کے دشمن اور انسانیت کے حریف ہندوؤں کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے مسٹر مہاجن کے حالیہ بیان کے مطابق ۱۹۴۸ء ہی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ پاکستان پر حملہ کر کے مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کو ختم کر دیا جائے۔ اس کے لئے وہ مناسب موقعہ تلاش کرتے رہے تا آنکہ گذشتہ ستمبر میں انہوں نے اپنے اس فیصلہ پر عمل کر کے دکھا دیا۔

یہ تھی جنگ کرنے کی اجازت۔ اب یہ دیکھئے کہ انہیں جنگ کرنے کا حکم کن حالات میں اور کس مقصد کے لئے دیا گیا؟ مدینہ کے مسلمان محفوظ ہو گئے اور انہیں کچھ قوت بھی حاصل ہو گئی۔ لیکن جو مسلمان ہنوز مکہ میں موجود تھے ان پر قریش نے بیحد ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔ ان کے اپنے پاس اتنی قوت نہیں تھی جس سے وہ اپنی حفاظت کر سکتے۔ نہ ہی کوئی اور ان کی مدد کر کے قریش سے لڑائی مول لینے کے لئے تیار تھا۔ جب ان کی مظلومیت انتہا تک پہنچ گئی تو مدینہ کے مسلمانوں سے کہا گیا کہ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا (۴/۷۵)۔ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مکہ کے مظلوموں کی حفاظت کے لئے جنگ کے لئے کیوں نہیں نکلتے۔ تم سنتے نہیں ہو کہ وہ کس طرح چلا چلا کر ہم سے فریاد کر رہے ہیں ـــ ان کے مرد، عورتیں، بچے سب پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے نشوونما دینے والے! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والوں نے ظلم وستم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ ہمارا یہاں کوئی حمایتی اور مددگار نہیں۔ تو اپنے ہاں سے ہمارے لئے کسی مددگار کا انتظام کر دے۔

آپ نے، برادرانِ عزیز! غور فرمایا کہ مسلمانوں کو کس مقصد کے لئے جنگ کا حکم دیا جاتا ہے؟ کیا یہ بعینہ وہی حالت نہیں جو کشمیر کے مسلمانوں کی ہے؟ اور کیا ان حالات میں ان کی مدد کے لئے جنگ کرنے

کا ہمیں حکم نہیں دیا جا رہا؟ یہ مقام تو وہ ہے جہاں ہمارے اپنے فیصلہ اور انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کشمیری مظلوموں کی امداد کے لئے سربکف اور کفن بدوش میدان جنگ میں آ جانا، ہمارے لئے قریضۂ خداوندی ہے۔ ہماری یہ جنگ، خدا کے حکم کی اطاعت ہے۔ لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایران اور روم کے خلاف جو لڑائیاں لڑیں تو ان کا مقصد کیا تھا۔ ان کا مقصد تو ان خطوط سے واضح ہے جو حضور نبی اکرمؐ نے ایران کے کسریٰ اور روم (بازنطین) کے قیصر کو تحریر فرمائے تھے۔ ان میں آپؐ نے لکھا تھا کہ تمہارے ہاں کے کاشتکاروں اور کسانوں پر بیحد ظلم و ستم ہو رہے ہیں اور اس کی وجہ سے وہاں خرابیاں عام ہو رہی ہیں۔ اگر تم نے اس کا سدباب نہ کیا۔ تو ان تمام جرائم کی ذمہ داری تمہارے سر پر عائد ہو گی۔ حضورؐ نے انہیں اس طرح متنبہ فرمایا اور جب انہوں نے اس کا کوئی ازالہ نہ کیا تو ان مظلوموں کی دادرسی کے لئے مسلمانوں کو فوج کشی کرنی پڑی۔ قرآن کریم کی رو سے، مسلمانوں کی جنگ اپنی مدافعت یا مظلوموں کی امداد کے لئے ہے، ہوس ملک گیری کے لئے نہیں۔ اور اس کے لئے جان دے دینا سب سے بڑا صلہ۔

شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن ۔ نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی!

جنگ کی حالت ہو یا امن کا زمانہ۔ قوموں کی زندگی میں معاہدات کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس باب میں قرآن کریم نے جو ہدایات (بلکہ احکام) دیئے ہیں، وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ اس نے کہا ہے کہ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (۱۷/۳۴) ۔ تم ہمیشہ ایفائے عہد کرو۔ یاد رکھو! معاہدات کے لئے تم فریق ثانی یا کسی دنیاوی عدالت کے سامنے ہی جواب دہ نہیں۔ تم اپنے خدا کے سامنے جواب دہ ہو۔ اس لئے اگر کسی معاہدہ کی خلاف ورزی کا تمہارے دل میں خیال تک بھی آئے تو تم سوچ لو کہ تمہارے پاس اس کا کیا جواز اور جواب ہے جسے تم اپنے خدا کے سامنے پیش کر سکو گے۔ ہماری تاریخ کے اس دور میں جب امت کا عمل قرآن پر تھا، معاہدات کا کس طرح احترام کیا جاتا تھا اس کی سینکڑوں مثالیں، تاریخ کے اوراق پر درخشندہ موتیوں کی طرح بکھری پڑی ہیں۔ وقت کی کمی وجہ سے میں، ان میں سے صرف ایک آدھ پر ہی اکتفا کروں گا۔ دمشق کا محاصرہ بڑا طول پکڑ گیا۔ شہر سے باہر ایک طرف حضرت خالد بن ولیدؓ تھے اور دوسری طرف حضرت ابو عبیدہؓ۔ آخر کار، حضرت خالدؓ نے ایک شب ہلہ بول کر دروازہ توڑ دیا اور فاتحانہ انداز سے شہر میں داخل ہو گئے۔ اہل شہر نے جب یہ دیکھا تو پیچھے سے دوسری طرف حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے صلح کی درخواست پیش کر دی۔ انہوں نے اسے منظور کر لیا اور اہل شہر کو امان دیدی اور اس طرح اُدھر سے مسلمان اس انداز سے شہر میں داخل ہو گئے۔ جب حضرت خالدؓ کی فوجیں سامنے آئیں تو حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں شمشیر بہ نیام ہو جانے کے لئے کہا۔ جب بات کھلی تو حضرت خالدؓ نے کہا کہ دمشق کو

مفتوحہ علاقہ تصور کیا جائے گا۔ لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا کہ جب انہیں امان دیدی گئی ہے تو انہیں مفتوح تصور نہیں کیا جا سکتا۔ آخر الامر حضرت ابو عبیدہؓ کا فیصلہ غالب رہا حالانکہ کمان حضرت خالدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ ہم تو اس قسم کے معاہدات کا بھی اس طرح احترام کرنے والی امت کی روایات کے حامل ہیں۔ یہ تو پھر بھی معاہدہ کی بات تھی، ہمارے ہاں تو ایفائے عہد کا سلسلہ اس سے بھی کہیں آگے چلا جاتا ہے۔ بدر کے میدان میں کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف تین سو کے قریب نیم مسلح مسلمان۔ مقابل میں ایک ہزار کا مسلح جری لشکر۔ صفیں آراستہ ہو رہی تھیں کہ دو صحابیؓ دوڑتے۔ ہانپتے ان سے آملے۔ ان کے اضافہ سے مسلمانوں کو بڑی تقویت اور خوشی ہوئی۔ حضورؐ کے دریافت کرنے پر انہوں نے کہا کہ وہ ادھر آرہے تھے کہ راستے میں قریش کے ایک گروہ نے انہیں روک لیا۔ اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ہم ادھر آرہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ تم وہاں پہنچ کر قریش کے خلاف لڑائی میں شریک ہو گے۔ ہم تمہیں نہیں جانے دیں گے۔ اس پر ہم نے ان سے کہا کہ ہمیں جانے دو۔ ہم لڑائی میں شرکت نہیں کریں گے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ پھر تم لڑائی میں شریک نہیں ہو سکتے"۔ مسلمان وعدہ کر کے اس سے پھر نہیں سکتا۔ ہم پر جو بیتے گی اسے ہم بھگت لیں گے۔ لیکن وعدہ خلافی نہیں کی جائے گی۔

معاہدات کے احترام کے بعد دشمن کے ساتھ برتاؤ کرنے کا سوال سامنے آتا ہے۔ "جنگ اور محبت میں سب کچھ روا ہے" دنیا کا عام انداز ہے۔ لیکن قرآن کا انداز اس سے یکسر مختلف ہے۔ اس کا ارشاد یہ ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (۵/۸) دیکھنا! کسی قوم کی دشمنی کہیں تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم ان سے انصاف نہ کرو۔ ہمیشہ انصاف کرو کہ یہی روش تقویٰ سے قریب تر ہے۔ دشمن کے ساتھ عدل کا مفہوم کیا ہے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ جنگ بدر میں قریش اپنے ساتھ بعض ایسے قبائل کے لوگوں کو لے آئے تھے جو مسلمانوں کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن قریش نے انہیں اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نبی اکرمؐ نے ان افراد کی نشاندہی کر کے اپنی فوج کو ہدایت کی تھی کہ اگر ان میں سے کسی فرد پر قابو پا لیا جائے تو اسے قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ زبردستی لائے گئے ہیں۔

یہ ہیں برادران عزیز! ہمارے ہاں جنگ کے محرکات و مقاصد اور یہ ہیں اس کے آئین و ضوابط۔ اور یہ اغراض و ضوابط کسی ہنگامی جذبہ کے پیدا کردہ نہیں۔ نہ ہی مخصوص حالات سے وابستہ۔ ان کے متعلق ہمارا ایمان یہ ہے کہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (۶/۱۱۵)۔ یہ مستقل اور غیر متبدل قوانین خداوندی ہیں جن میں دنیا کی کوئی قوت کسی حالت میں بھی ردوبدل نہیں کر سکتی۔

اور یہی ہیں وہ مقاصد جن کے لئے ہم نے گذشتہ جنگ لڑی ہے۔ اس جنگ میں ہمارے جانباز مجاہدین کی شجاعت و بسالت اور جرأت و بے جگری کے محیر العقول کارناموں کی داستانیں آپ نے سنی ہیں۔ اور بہت سی ابھی اور سننے میں آئیں گی۔ ان کے یہ سب کارنامے ہمارے لئے باعث صد افتخار ہیں لیکن میرے نزدیک ان سب سے زیادہ باعث فخر و مسرت ان کا ایک اور کارنامہ ہے۔ اور یہ کہ انہوں نے جنگ کی حالت میں بھی جن اخلاقی اقدار کی پابندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کی مثال اس دور کی جنگ میں کہیں نہیں ملیگی۔ اس وقت تک کوئی ایک واقعہ سامنے نہیں آیا جس میں ہمارے ان "لشکریوں" نے مفتوحہ علاقہ سے ایک روٹی تک بھی ناجائز طور پر اپنے لئے اٹھائی ہو۔ یا ننھی شہری آبادی پر کسی قسم کی زیادتی کی ہو۔ اس سے بھی آگے بڑھئے۔ ہندوستان کے اخبارات اور ریڈیو نے اس زمانے میں جسقدر جھوٹ اور افترا پھیلایا ہے اس کے سامنے گوئبلز کی روح بھی شرمندہ ہے۔ لیکن اس تمام تر دروغ بافیوں اور افسانہ طرازیوں کے باوجود انہوں نے کہیں ایک جگہ بھی یہ نہیں کہا کہ ہمارے ان نوجوان سپاہیوں نے کسی عورت کی طرف بری نگاہ سے دیکھا تک بھی ہو!

اے اسلام کے مایۂ ناز فرزندو! تم پر اللہ کا سحاب کرم ہمیشہ سایہ فگن رہے۔ تم نے ہمیں دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل بنا دیا۔ ملت تم پر جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ ہم تو ایک طرف، ہماری آنے والی نسلیں بھی تمہارے اس بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکیں گی۔

اب میں برادران عزیز! اپنے موضوع کے دوسرے گوشے کی طرف آتا ہوں۔ یعنی چین کے ساتھ ہمارے تعلقات کی بنیاد۔ یہ مسئلہ بڑا نازک اور یہ سوال بڑا غور طلب ہے، بالخصوص اس لئے کہ موافق اور مخالف ہواؤں کے جھونکے اسے بڑی تیزی سے جھولا جھلا رہے ہیں۔ بنا بریں اس پر نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنے اور فکر عمیق سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

چین کمیونزم کا حامل ہے۔ اور کمیونزم بھی مارکس، لینن کی خالص اور غیر محرف۔ کہا یہ جاتا ہے کہ کمیونزم جو نہ خدا کو مانے نہ رسول کو۔ نہ وحی کو مانے نہ حیات آخرت کو۔ اس کے ساتھ ایک اسلامی مملکت کے دوستانہ تعلقات کا کیا سوال؟ یہ بات بظاہر بڑی معقول اور یہ اعتراض بداہتاً بڑا وزنی نظر آتا ہے۔ لیکن آیئے، ذرا سطح سے نیچے اتر کر نگاہ بصیرت سے دیکھیں کہ اس اعتراض کی حقیقت کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک چیز ہے کمیونزم کا فلسفہ اور دوسری چیز ہے اس کا معاشی نظام۔ جہاں تک کمیونزم کے فلسفہ کا تعلق ہے، وہ فی الواقعہ اسلام کے فلسفہ کی نقیض اور اسکی آئیڈیالوجی کی ضد ہے۔ اس لئے ایک مسلمان کی اس قسم کے فلسفہ کے ساتھ "دوستداری" تو ایک طرف کسی قسم کی مصالحت اور مفاہمت بھی

نہیں ہوسکتی یہی وجہ ہے کہ جہاں تک اس فلسفہ (آئیڈیالوجی) کا تعلق ہے میں نے اکثر یہ کہا ہے کہ اس اعتبار سے نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مسلمان کمیونسٹ۔

لیکن جہاں تک کمیونزم کے معاشی نظام کا تعلق ہے وہ قرآن کریم کے پیش کردہ معاشی نظام کے بہت قریب ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ اسلام کا معاشی نظام اُن کے معاشی نظام سے بھی دس قدم آگے جاتا ہے۔ اور ان کے نظام میں جو کمزوریاں ہیں، اسلام کا نظام ان سے منزہ اور معریٰ ہے۔ قرآن کریم نے کسی نظریہ یا نظام کی بقا کا اصول یہ بتایا ہے کہ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (۱۳/۱۷)۔ بقا اس کے لئے ہے جو نوع انسان کے لئے زیادہ سے زیادہ منفعت بخش ہے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ نوع انسان کی منفعت بخشی کے راستے میں تین قوتیں سنگ گراں بنکر حائل رہتی ہیں اور جبتک انہیں راستے سے نہ ہٹایا جائے، کاروانِ انسانیت اپنی منزل کیطرف بڑھ نہیں سکتا۔ اس نے ان تین قوتوں کا یک جا ذکر داستانِ بنی اسرائیل میں بڑی تفصیل سے کیا ہے۔ یعنی ملوکیت جس کا نمائندہ فرعون تھا۔ تھیاکریسی کی علمبردار مذہبی پیشوائیت، جس کا ترجمان ہامان تھا۔ اور نظامِ سرمایہ داری جس کا علمبردار قارون تھا۔ یہ وہ قوتیں تھیں جن کا مقابلہ صاحب ضرب کلیم حضرت موسےٰ علیہ السلام کو کرنا تھا۔ اور ایک صاحب ضرب کلیم ہی پر کیا منحصر ہے۔ خدا کے ہر رسول کا مشن ان قوتوں کو انسانیت کے راستے سے ہٹانا تھا۔ یہی قوتیں علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں انسانیت کی موت کا باعث ہیں۔

چار مرگ اندر پئے ایں دیر میر ۔ سود خوار و والی و ملا و پیر

جہاں تک ملوکیت کا تعلق ہے اس کے معنی یہی نہیں کہ اسلام میں وراثتی بادشاہت حرام ہے۔ اس کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا میں کسی انسان کو حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم و مطیع بنائے۔ انسان کے لئے اطاعت و محکومیت صرف خدا کے احکام کی جائز ہے۔ اس حقیقت کبریٰ کو اس نے اپنے بنیادی حکم (نظریۂ حیات) میں ان چار الفاظ میں سمجھ کر رکھ دیا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے ۔ حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

باقی رہی مذہبی پیشوائیت اور سرمایہ داری۔ قرآن کی ساری تعلیم ان کے لئے پیغامِ مرگ ہے۔ وہ برملا کہتا ہے کہ یاد رکھو۔ اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (۹/۳۴)۔ ان علماء و مشائخ میں سے اکثریت کی یہ کیفیت ہے کہ یہ خود کچھ نہیں کماتے اور عوام بیچاروں کی گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اور خدا کی طرف لے جانے والی راہ میں سنگ گراں بن کر حائل رہتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ دوسرا طبقہ سرمایہ پرستوں کا ہے جو اپنی ضروریات سے زائد دولت کو نوع انسان کی منفعت کے لئے کھلا رکھنے کے بجائے اُسے اپنے لئے سمیٹ کر جمع کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَ جُنُوْبُھُمْ وَ ظُھُوْرُھُمْ۔ اس تباہی کے دن ان کے سیم و زر کے یہی ٹکڑے جہنم کی آگ میں تپائے جائیں گے اور ان سے ان کی پیشانی، پہلو اور پشت کو داغ دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ۔ یہ ہے وہ دولت جس سے تم نے ضرورت مندوں کو محروم رکھا اور اپنے لئے بلا ضرورت دفینے بنائے چلے گئے۔ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ۔ (۹/۳۴)۔ لہٰذا اب تم ان دفینوں کے انجام کا مزہ چکھو۔

برادران عزیز! وقت نہیں ورنہ میں آپ کو تفصیل سے بتاتا کہ قرآن کریم کس طرح نظام سرمایہ داری کے ایک ایک گوشے کو سامنے لاکر اس کی دھجیاں اڑاتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کی جگہ ایسا نظام قائم کرتا ہے جس میں تمام افراد معاشرہ کی بنیادی ضروریات زندگی بلا کاوش و مشقت پوری ہوتی رہیں اور نہ کوئی کسی کا محکوم ہو نہ محتاج۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ ہیں۔

کس نباشد در جہاں محتاج کس ۔ نکتۂ شرع مبیں این است و بس

جہاں تک ملوکیت کا تعلق ہے، کمیونزم کی نگاہ اس کے ظواہر تک گئی۔ اس کی روح تک نہ پہنچ سکی۔ یہ اس کی غلط بیٹ یالوجی کا قصور تھا۔ لیکن جہاں تک مذہبی پیشوائیت (تھیاکریسی) اور نظام سرمایہ داری کا تعلق ہے، کمیونزم کا نظام، ان دونوں کا دشمن ہے۔ اور یہ ہے اسلام کے نظام اور کمیونزم کے نظام میں قدر مشترک۔ یعنی نظام سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کا استیصال۔

قرآن کریم کی تعلیم یہ ہے کہ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی۔ وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ۔ (۵/۲)۔ ہم ہر اس پروگرام سے تعاون کر سکتے ہیں جو انسانیت کو مذہبی پیشوائیت (تھیاکریسی) اور نظام سرمایہ داری کی لعنت سے نجات دلانے کے لئے وجود میں آئے (بشرطیکہ اس کا طریق کار تشدد اور فساد انگیز نہ ہو)۔ اور کسی ایسی کوشش سے تعاون نہیں کر سکتے جو ان انسانیت سوز نظاموں کی گرہیں مضبوط کرنے کے لئے عمل میں لائی جائے۔ یہ ہے، یہ ہے چین کے ساتھ ہمارے تعلقات کی بنیاد جو باہمی معاہدہ کی رُو سے استوار ہوتی ہے۔

اب عزیزان من! ذرا نظام سرمایہ داری کے اس فریب کی طرف آیئے جس کا دام ہمرنگ زمین، ایک مدت سے پھیلایا جا رہا ہے۔ دنیا کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ ابلیس دھوکا دینے کے لئے کبھی

بے نقاب سامنے نہیں آتا ـــــ وہ بے نقاب سامنے آئے تو کوئی اس کے فریب میں نہ آئے۔ وہ ہمیشہ خدا کا نقاب اوڑھ کر آتا ہے اور اس طرح انسانوں کو اپنی مفاد پرستوں کا شکار کر لیتا ہے۔ اور شکار بھی اس انداز سے کہ کسی ہلاکو اور چنگیز کے ہاتھوں انسانیت کی اس قدر تباہی نہیں ہوئی جس قدر تباہی خدا کا نقاب اوڑھے ہوئے ابلیس کے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اب دیکھئے کہ ہمارے زمانے میں ابلیس نے خدا کا نقاب کس طرح اوڑھا۔ جب مغرب کی سرمایہ پرست قوتوں نے دیکھا کہ وہ تنہا کمیونزم کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو انہوں نے مسلم حکومتوں کو اس کے خلاف اٹھا کھڑا کرنے کی اسکیم سوچی۔ اس کے لئے انہوں نے یہ مقدس نعرہ بلند کیا کہ

Believers in God, unite together

"خدا پرستو آؤ۔ اس منکرِ خدا کا مل کر مقابلہ کریں۔ یہ نعرہ بلند کیا، اور مسلمانوں کے ممالک میں اس کا ڈھول خاص طور پر پیٹا گیا۔ مسلمانوں کو تو اس مقدس فریب میں الجھایا اور اپنی کیفیت یہ کہ گذشتہ جنگِ عظیم میں پہلے ایک "خدا پرست" (جرمنی) نے منکرِ خدا (روس) سے دوستی کی پینگیں بڑھائیں اور پھر دوسرا "خدا پرست" (برطانیہ) اس کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ خود آج کل دیکھئے۔ انہی خدا پرستوں کی حالت یہ ہے کہ ایک منکرِ خدا (چین) کے ساتھ اس قدر شدید مخالفت ہے لیکن دوسرے منکرِ خدا (روس) کے ساتھ گہرے روابط استوار کئے جا رہے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر خود ہمارے معاملہ میں دیکھئے۔ پاکستان کے خدا پرستوں کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔ اور بھارت کے ان ہندوؤں کی ہر قسم کی امداد کی جا رہی ہے جو تینتیس کروڑ دیوتاؤں اور پتھر کی مورتیوں کے پجاری ہیں۔ یہ ہے ان "خدا پرستوں" کی منافقت کا عالم۔ دوسری طرف" اس منکرِ خدا (چین) کو دیکھئے۔ آئیڈیالوجی۔ مسلک۔ مقصد۔ ہر اعتبار سے دنیا میں چین سے سب سے زیادہ قریب روس ہے۔ ان دونوں کو ایک بلاک کے دو پتھر ہونا چاہئے تھا۔ لیکن روس نے چونکہ اصل کمیونزم میں کچھ تحریف کی ہے، اس لئے چین اس سے برملا کہہ رہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کسی مفاہمت اور مصالحت کے لئے تیار نہیں۔ ہمارے نزدیک، تم اور دیگر سرمایہ پرست طاقتیں یکساں ہو۔ وہ جانتا ہے کہ روس کے ساتھ مخالفت مول لینے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ وہ "مغربی خدا پرستوں" کی سیاست پر عمل کرتے ہوئے، روس کے ساتھ اپنے اس اختلاف کو چھپا کر نہایت اطمینان سے اس کا دلی دوست بنا رہ سکتا تھا۔ لیکن اس نے ان تمام خطرات کو مول لیا، پر منافقت کو گوارا نہیں کیا۔ یہ ہے اس منکرِ خدا کی روش۔ اور وہ ہے ان خدا پرستی کے دعویداروں کا مسلک! اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ـــــ جو چین اپنی مخالفت میں روس کے ساتھ منافقت نہیں برتتا، وہ اپنی دوستی میں بھی ہم سے منافقت نہیں برتےگا۔ اس لئے اس کی دوستی پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ غالبؔ کے الفاظ میں۔

وفا داری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے ۔ مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

باقی رہا ان مغربی قوتوں کا دعوئے خدا پرستی سو قرآن کریم کی رو سے خدا پر ایمان کا معیار اس سے مختلف ہے۔ اس کے نزدیک، کسی شخص کا یہ کہہ دینا کہ وہ خدا کو مانتا ہے، اسے ایمان رکھنے والوں کی صف میں نہیں لے آتا۔ اس کے نزدیک کفر اور ایمان کا معیار اور ہے۔ اور وہ یہ کہ

وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۔ (۵/۴۴)

خدا پر ایمان اس کا ہے جو اس کی نازل کردہ کتاب (قرآن) کے مطابق اپنے معاملات کے فیصلے کرتا ہے۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ کافر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اہل کتاب سے بھی ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ وہ نہ صرف خدا پر ایمان رکھنے کے مدعی تھے (اور ہیں) بلکہ ان انبیاء پر بھی ایمان رکھتے تھے (اور رکھتے ہیں) جنہیں قرآن خدا کے سچے رسول تسلیم کرتا ہے۔ وہ ان سے کہتا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ (۴/۴۷)۔ اے اہل کتاب! تم اس کتاب (قرآن) پر ایمان لاؤ جسے خدا نے نازل کیا ہے اور جو اس تعلیم کو سچ کر دکھائیگی جو تمہارے انبیاء کو دی گئی تھی لیکن جو اب تمہارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں۔ اسی لئے وہ جماعتِ مومنین سے کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِہٖ فَقَدِ اھْتَدَوْا ۔ (۲/۱۳۷)۔ اگر یہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو، تو پھر انہیں راہ راست پر سمجھا جائے گا ۔ یہ تو پھر بھی (غیر مسلم) اہل کتاب ہیں، قرآن کی رو سے تو اگر کوئی مسلمان ملک بھی سیکولر حکومت قائم کرے، تو اس کا شمار قرآنی مومنین کے زمرے میں نہیں رہتا۔ ایمان زبان سے چند الفاظ دہرا دینے کا نام نہیں۔ اپنی زندگی کو خدا کے قوانین کے تابع لانے کا نام ہے۔ لہٰذا جہاں تک خدا پر ایمان کا تعلق ہے، قرآن کریم کی میزان میں، اس باب میں، مغرب کے خدا پرستوں اور چین کے منکروں میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا جہاں تک ہماری آئیڈیالوجی کا تعلق ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی مفاہمت نہیں کر سکتے۔ اب سوال صرف تعاون کا رہ جاتا ہے۔ اس کے لئے جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے، دنیا سے نظام سرمایہ داری اور تھیا کریسی کے مٹانے کی حد تک، ہم چین کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں۔

جہاں تک قرآن کے معاشی نظام کا تعلق ہے علامہ اقبالؒ نے سر فرانسس ینگ کے نام اپنے خط میں لکھا تھا۔

Bolshevism plus God is almost identical with Islam

"اگر بالشوزم کے ساتھ خدا کا امتزاج کر دیا جائے تو وہ قریب قریب اسلام کے مماثل ہو جاتا ہے۔" چین کا معاشی نظام، بالشوزم ہے۔ اگر ہم اس نظام کو وحی کی عطا کردہ مستقل اقدار کی بنیادوں پر قائم کریں تو یہ نظام ہمارے دینی تقاضہ کو پورا کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمیونزم کو اپنے نظام کے لئے محکم بنیاد نہیں ملی۔ یہی وجہ

ہے کہ ایک ہی نسل کے بعد روس اپنے نظام میں تبدیلیاں کرنے پر مجبور ہو گیا۔ علامہ اقبالؒ نے، کمیونزم کی اسی بنیادی کمزوری کو بھانپ کر روس سے کہا تھا کہ

ایکہ می خواہی نظامِ عالمے — جستہ اورا نظامِ محکمے ؟

اور اس کے بعد خود ہی کہا تھا کہ

آیدش روزے کہ از زورِ جنوں — خویش را زیں تند باد آرد بروں

اس لئے کہ

در مقامِ لا نیاساید حیات — سوئے اِلّا می خرامد کائنات

یہ اِلّا (مشیت) تعمیری بنیاد، قرآن کی مستقل اقدار کے سوا کہیں نہیں مل سکتی۔ اگر ہم قرآنی بنیادوں پر اپنا معاشی نظام استوار کریں تو کیا عجب کہ (روس کے ناکام تجربہ سے سبق حاصل کر کے) چین خود اس نظام کو قبول کرلے۔ حقیقت یہ ہے کہ مارکس کے سامنے "خدا" وہ تھا جو مفاد پرست گروہوں کے ذہن کا تراشیدہ تھا، اس لئے اس نے اسے اٹھا کر پھینک دیا۔ وہ ایسا نہ کرتا ـــ تو اور کیا کرتا۔ (خود قرآن نے بھی تو اس قسم کے باطل معبودوں کی دھجیاں بکھیر دی ہیں) اگر اس کے سامنے قرآن کا پیش کردہ خدا ہوتا تو وہ اس کا کبھی انکار نہ کرتا۔ وہ اپنے نظام کی بنیاد ہی اس خدا کے تصور پر رکھتا۔ یہ دنیا کی انتہائی بدقسمتی تھی کہ کسی نے مارکس کو قرآن کے پیش کردہ خدا کے تصور سے متعارف نہ کرایا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو اس وقت دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اب اس خدا کے تصور کو پیش کرنے کا طریق یہ ہے کہ ہم قرآن کے معاشی نظام کو عملاً متشکل کر کے دنیا کے سامنے لائیں۔ کمیونسٹ دنیا سب سے پہلے اس پر لبیک کہے گی۔ پاکستان کی تشکیل کا مقصد ہی یہ تھا۔ اس کے معمار (قائد اعظمؒ) نے ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ (دہلی) کے سیشن میں کہا تھا:

> اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو بھی متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسے فتنہ انگیز ابلیسی نظام کی رو سے جو انسان کو ایسا بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کے سننے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتا، عوام کی گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اس کا نام تہذیب ہے! کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے؟ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی بھی رمق ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے

ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔[۱]
جہاں تک تھیاکریسی کا تعلق ہے، انہوں نے امریکہ کے نام فروری ۱۹۴۸ء میں اپنے ایک براڈکاسٹ میں کہا تھا۔

> آئین پاکستان کے مرتب کرنے کے سلسلہ میں جو ذمہ داریاں ہم پہ عائد ہوتی ہیں انکا ہمیں پورا پورا احساس ہے۔ کچھ بھی ہو یہ مسلمہ ہے کہ پاکستان میں کسی صورت میں بھی تھیاکریسی رائج نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دی جاتی ہے کہ وہ (بزعم خویش) خدائی مشن کو پورا کریں[۲]

لہٰذا ان امور کے لئے اگر ہم چین کے ساتھ تعاون کریں تو یہ ان مقاصد کو پورا کرنے میں بھی ممد و معاون ہوگا جن کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ (بشرطیکہ یہ تعاون ہماری آئیڈیالوجی میں کسی طرح دخیل نہ ہو۔ جیسا کہ اب تک یہ دخیل نہیں ہوا)

یہ ہے عزیزانِ من! میری قرآنی بصیرت کے مطابق، چین کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت اور اساس۔ والسلام۔

۱، ۲۔ وقت کی کمی کی وجہ سے تقریر میں یہ اقتباسات پیش نہیں کیے جا سکے تھے۔

لائلپور میں پرویز صاحب کا درسِ قرآن کریم

ہر جمعہ کی شب کو ــــــ بعد نماز عشاء ــــــ بذریعہ ٹیپ

نمائندہ بزم خان محمد اکرم خاں کی قیام گاہ۔ پنجاب ڈیری بیئر

(۴۰۸۔ اے پیپلز کالونی)

میں ہوتا ہے

بچوں کا صفحہ

غیرت مند قوم کے بہادر فرزند

یہ تو تم جان چکے ہو کہ بھارت کے ساتھ ہماری جنگ کیوں ہے۔ ایک جنگ وہ ہوتی ہے جو دوسروں کے علاقے چھیننے کے لئے لڑی جاتی ہے اور ایک وہ جو مظلوم کی مدد کرنے اور ظلم کا خاتمہ کرنے کے لئے لڑی جاتی ہے۔ ہم اس وقت بھارت کے ساتھ یہ دوسری قسم کی جنگ لڑ رہے ہیں — ہر شریف آدمی صلح صفائی سے رہنا چاہتا ہے۔ لڑائی جھگڑا اچھا نہیں ہوتا۔ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب شریف آدمی بھی لڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کوئی رذیل آدمی اس شریف آدمی کے سر چڑھنے لگے اور اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو شرافت کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اس رذیل کو اس کی کمینگی کا مزہ چکھایا جائے۔ اگر اُسے یہ مزہ نہ چکھایا جائے تو وہ شریف آدمیوں کا جینا محال کر دے گا۔ اس وقت ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں اس کی غرض و غایت یہی ہے کہ ظلم کا خاتمہ کر دیا جائے اور ظلم کے ہاتھ توڑ دیئے جائیں۔

اس طرح کی جنگ کو جہاد کہتے ہیں۔ یہ کسی ذاتی فائدے کے لئے نہیں بلکہ حق و انصاف کی خاطر لڑی جاتی ہے۔ ہمارے جانباز سپاہیوں نے جس شوق سے اپنی جانیں واری ہیں وہ جہاد کے اسی جذبہ کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ تم نے اپنے ان غازیوں اور شہیدوں کی بہادری اور سرفروشی کی کہانیاں سُنی، پڑھی ہوں گی اور تمہارے سامنے بدر اور احزاب کے مجاہدوں کے کارناموں کی تصویر آگئی ہوگی۔ اب تمہاری سمجھ میں اچھی طرح آگیا ہوگا کہ آدمی جب حق کی خاطر میدان میں نکل آتا ہے تو موت اس کے لئے کھیل بن جاتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی قربانی کر گذرتا ہے، حتیٰ کہ جان تک کی بازی

لگا دیتا ہے۔ قربانی کا جذبہ صرف اُن مجاہدوں میں ہی نہیں ہوتا جو کفّار کے لشکر سے دو دو ہاتھ کر رہے ہوتے ہیں، بلکہ ساری قوم اس جذبہ سے سرشار ہوتی ہے۔ جو کوئی جہاں بھی ہوتا ہے اپنے مجاہدوں کی پُشت پناہی کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ پوری کی پوری قوم جہاد میں شریک ہوتی ہے۔

تم نے رسولؐ پاک کے زمانہ کے حالات پڑھے، سُنے ہوں گے۔ جہاد کا حکم ملنے پر کس طرح مسلمان بڑھ بڑھ کر سامنے آتے تھے۔ حد یہ ہوتی تھی کہ کم عمر کے بچّے بھی کہتے تھے کہ ہم بھی کافروں سے لڑنے کے لئے جائیں گے۔ ایسے ہی دو بچّوں کو دیکھ کر رسولِ پاک نے فرمایا کہ تمہارے قد چھوٹے ہیں، تم ابھی جہاد میں جانے کے قابل نہیں ہو۔ جانتے ہو ان بچّوں نے کیا کیا؟ وہ ایڑیاں اُٹھا کر پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تاکہ وہ چند اِنچ اور اونچے نظر آئیں۔ جب جہاد کی پکار ملتی ہے تو ساری قوم کی — قوم کے ایک ایک فرد کی — یہی کیفیت ہوتی ہے۔ وہ ایڑیاں اُٹھا کر جہاد کے پیمانے پر پورا اُترنے کی کوشش کرتا ہے۔

آج بھی پاکستان میں خدا و رسولؐ کے نام لیواؤں نے اسی جذبہ اور جوش کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس مظاہرے میں نو عمر اور نابالغ بچّے بھی اپنے بزرگوں سے پیچھے نہیں رہے۔ اخباروں میں اس طرح کے بہت سے واقعات آتے ہیں کہ بچّوں نے اپنے جیب خرچ سے پیسے بچا کر، بلکہ سارا جیب خرچ ہی بچا کر، قومی دفاعی فنڈ میں دے دیا ہے۔ ان بچّوں پر کسی نے جبر نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی خوشی سے یہ قربانی کی ہے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ اُن کی بیٹی جس کی عمر گیارہ سال ہے، بڑی کنجوس ہے۔ وہ جیب خرچ لیتی ضرور ہے لیکن خرچ نہیں کرتی۔ وہ کاپیوں، کتابوں سے بھی پیسے بچا کر جمع کر لیتی ہے۔ اُس نے ایک روز اپنے آپ کہا کہ میں دس روپے دفاعی فنڈ میں دوں گی۔ اگلے دن اُس نے کہا "بیس دوں گی"۔ تیسرے روز اُس نے بڑی بے تابی کے ساتھ کہا "ابّا جی! ابّا جی! میں اپنی ساری بچائی ہوئی رقم (دو سو روپے) دوں گی"۔ — اور یہ رقم اُس نے دے دی۔

راولپنڈی کے ایک بچّے نے اپنی تیرھویں سالگرہ منائی۔ اس موقع پر اُس نے جو دعوت کی اس میں دوستوں اور عزیزوں کو مدعو کرنے کی بجائے اُن زخمی مجاہدوں کو شامل کیا جو ہسپتالوں میں زیرِ علاج ہیں۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ

سالگرہ کا کیک اور کھانے پینے کی اور چیزیں لے کر ہسپتال چلا گیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے سب زخمی سپاہیوں کو یہ چیزیں دیں اور ان کا حال بھی پوچھا۔

پشاور شہر اور چھاؤنی کے سکولوں کے بچوں نے اس سلسلہ میں قومی خدمت کی ایک بڑی عمدہ مثال پیش کی۔ ان بچوں نے اس طرح کا پروگرام بنایا کہ وہ ہفتے میں دو تین بار اُن فوجیوں کے گھروں میں جا کر گھر کے روز مرہ کے متفرق کام کر سکیں جو محاذ پہ گئے ہوئے ہیں۔

ماں باپ اور بھائی بہن نے زخمیوں کے لئے خون دیا تو بعض چھوٹی عمر کے بچوں نے بھی ضد کی کہ ہم بھی خون دیں گے لاہور میں ایک اور بچہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ہسپتال گیا۔ ماں باپ دونوں خون دے چکے تو بچے نے بھی ضد شروع کر دی کہ میں بھی خون دونگا۔ ڈاکٹر نے اسے کہا "ابھی تم بچے ہو۔ جب بڑے ہو گے تو پھر آنا۔" بچہ بہت مایوس ہوا۔ وہ ابھی ہسپتال کی حدود میں ہی تھا کہ ڈاکٹر اپنی موٹر میں بیٹھ کر کہیں جانے لگا۔ اس نے بہت کوشش کی مگر گاڑی سٹارٹ نہ ہو سکی۔ اس نے اس پاس کھڑے آدمیوں سے کہا "ذرا دھکا لگانا۔" بچہ ابھی تک غصے میں تھا۔ اس نے ایک ایک آدمی کا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچا اور چلا چلا کر کہنے لگا "اس ڈاکٹر کی موٹر کو کوئی دھکا نہ لگائے۔ اس نے میرا خون نہیں لیا۔"

جن دنوں جنگ پورے زوروں پر تھی، دونوں طرف سے دن رات آگ برستی تھی لاہور کے لوگ دیگیں پکا پکا کر محاذ پر بھیجتے تھے۔ لاہور کے نو عمر بچے سکاؤٹوں کی وردیاں پہنے میزیں لگا کر اپنے مجاہدوں کو خود کھانا کھلاتے۔ ان میں سے کسی کو اپنی جان کی فکر نہ تھی حالانکہ دشمن کے گولے اُن کے بالکل قریب گر رہے تھے۔

جس قوم کے نونہالوں کے جذبے کا یہ حال ہو اُسے کون شکست دے سکتا ہے! شاباش غیرت مند قوم کے بہادر فرزندو! شاباش۔

(ریڈیو نس بھائی جان)

ایڈیٹر صفدر سلیمی۔ پبلشر سراج الحق۔ پرنٹر شیخ محمد اشرف۔ مقام اشاعت ۲۵-بی۔ گلبرگ۔ لاہور۔ مطبع۔ اشرف پریس۔ ۷۰ ایبک روڈ لاہور